ہیں، ان کی نظمیں اور افسانے دونوں جدید ادب کے ترجمان ہیں، وہ ہندوستان کے اقتصادی اور سیاسی مسائل، یہاں کی غربت و افلاس کے نتائج، غربا سے ہمدردی، اور ہندوستانی نظامِ معاشرت کے قابلِ اصلاح پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں، یہ سب افسانے اسی رنگ کے ہیں، لیکن اس خشک مقصد کے باوجود ان کے لطف و دلچسپی میں کوئی کمی نہیں، زبان نہایت ستھری ہے، ان کی ایک قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ آج کل کے بعض گم کردہ راہ انقلابی نوجوانوں کی طرح ان افسانوں میں محض بے معنی انقلاب کی دعوت اور اپنی تہذیب و معاشرت اپنے نظام اور اپنی چیزوں سے بیزاری نہیں ہے، بلکہ صرف قابلِ اصلاح پہلوؤں کو متانت و تہذیب سے پیش کیا گیا ہے،

خیابانِ نسواں مولفہ جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی، حیدرآبادی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲/، پتہ دفتر عصمت بک ڈپو دہلی،

یہ کتاب مولف کے ان اٹھارہ متفرق مضامین کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے مختلف نسوانی موضوعوں پر مختلف رسائل میں لکھے تھے، ان میں تاریخی، تعلیمی، اخلاقی، اصلاحی اور مختلف قسم کے مضامین و مفید معلومات ہیں، لیکن ان سب کا تعلق نسوانی مسائل سے ہے، عورتوں کے لئے ان میں بہت سے مفید معلومات ہیں،

تذکرۂ حالی، جناب ابو اللیث صاحب صدیقی ایم اے، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، غالباً مولف سے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتہ پر ملیگی،

ابو اللیث صاحب ایم اے بدایونی نے مولینا حالی پر غالباً یہ مقالہ لکھا تھا جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے، اس میں مولینا کے مختصر سوانح حیات ہیں، اور ان کی نظم و نثر اور تصانیف پر خوش مذاقی کیساتھ جامع اور مختصر تبصرہ کیا گیا ہے،

"م"

جلد ۴۳	ماہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۳۹ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

چار سلیمانوں کی رباعی قاضی محمد سلیمان صاحب مصنف رحمۃ للعالمین کی وفات سے مثلث ہوگئی تھی، شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کی رحلت سے وہ فرد بنگئی تھی، اب اخیر اپریل ۱۹۳۹ء میں مولانا سلیمان اشرف صاحب (استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی) کی موت سے مصرع ہوکر رہ گئی، دیکھنا یہ ہے کہ یہ مصرع بھی دنیا کی زبان پر کبتک رہتا ہے،

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

مولانا سید محمد سلیمان اشرف صاحب مرحوم بہار کے ایک مردم خیز دیہات کے رہنے والے اور شرفائے سادات کے خاندان سے تھے، ان کے والد مرحوم حکیم عبد اللہ صاحب، اور انکے اعمام محترم مولانا عبد القادر صاحب، مولوی عبد الرزاق صاحب، مولوی عبد الغنی صاحب و مولانا عبید اللہ صاحب اہل علم و فقر تھے، مولانا مرحوم نے درس کا بڑا حصہ مولانا محمد احسن صاحب استھانوی بہاری سے حاصل کیا تھا اور کچھ دن دار العلوم ندوہ میں بسر کئے تھے، اور آخر میں منطق و فلسفہ کی آخری کتابیں مولانا ہدایت اللہ خانصاحب رامپوری ثم الجونپوری سے پڑھی تھیں، جو پورب میں خیرآبادی سلسلہ کے خاتم تھے، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم کو حقیقت یہ ہے کہ اپنے استاد کے ساتھ عقیدت ہی نہیں، بلکہ عشق تھا، ان کے حالات وہ جب کبھی سناتے تھے، تو ان کے طرز بیان اور گفتار کی ہر ادا سے ان کی والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی،

مرحوم خوش اندام، خوش لباس، خوش طبع، نظافت پسند، سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی خودداری اور اپنی عزتِ نفس کا احساس تھا، ان کی ساری عمر علیگڈہ میں گذری جہاں امراء اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا، مگر انھون نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی، اور نہ ان مین سے کسی سے دب کر یا جھک کر ملے، جس سے ملے برابری سے ملے، اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھکر، علی گڈہ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکین، علی گڈہ کے عشرت خانہ مین ان کی قیامگاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی، یہاں جو آتا جھک کر آتا، اگر مجلس سازگار ہوئی تو دعائین لے کر گیا، ورنہ الٹے پاؤن ایسا واپس آیا کہ پھر اودھر کا رخ نہ کیا،

وہ نہایت فیاض، کشادہ دست اور سیر چشم تھے، دو تین سال کے علاوہ انکی ساری عمر تجرد کی حالت میں گذری، کوئی اولاد نہ تھی، خاندان کے عزیزون سے طبیعت کو چنداں مناسبت نہ تھی، جو کچھ تھا احباب کے نذر تھا، استادزادون اور دوستون اور دوستوں کی اولادون کے ساتھ وہ کچھ کیا جسکو اس زمانہ مین مشکل سے کوئی دوسرا کر سکتا ہے، انتہا یہ ہے کہ مرتے دم جو کچھ چھوڑا وہ بھی نذر احباب!

ان کی مجلس سدابہار تھی، وہ خود سدابہار تھے، فکر و غم کا ان کے ہاں گذر نہ تھا، اپنی ضعیف والدہ کی اطاعت اور اپنے ایک دیوانہ بھائی کی رفاقت اور خدمت میں عمر اس طرح گذاری کہ اسکی نظیر مشکل ہے، انکی مجلس میں پچھلے علمار کے حالات اور ان کی خوبیوں کے تذکرے اکثر رہا کرتے، کبھی کبھی کسی علمی مسئلہ پر اظہار خیال ہوتا، ان کی تقریر و وعظ میں بڑی دلچسپی اور گرویدگی تھی، ادھر برسوں سے تقریر چھوڑ دی تھی، ایک دو جگہیں مخصوص تھیں جہاں وہ سال میں ایک دفعہ میلاد پڑھا کرتے تھے، ان کے مذہبی خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، پھر بھی ان کی ملاقات اور میل جول ہر خیال کے لوگوں سے تھا، وہ کسی سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اور جب کرتے تھے

تو کہتے جاتے تھے طبیعت مین ظرافت اور لطافت تھی، غصہ بھی جلد آجاتا تھا، اپنے مزاج کے خلاف ایک حرف سن نہین سکتے تھے،

تحریر و تالیف کا بھی ذوق تھا خسرو کی ایک مثنوی پر مقدمہ لکھا ہے، حج کے مسائل اور عربی کے فضائل پر دو رسالے لکھے ہیں، ایک کتاب بہین نام عربی فیلالوجی پر لکھی تھی، جس پر ہندوستانی ایکاڈیمی نے پانچ سو کا انعام دیا تھا، اور بھی متفرق مضامین لکھے تھے، یونیورسٹی مین علوم اسلامیہ کے درس کے علاوہ عصر کے بعد قرآن پاک کی تفسیر پڑھایا کرتے تھے، خاص خاص شوقین طالب علم اس مین شریک ہوتے،

ان کی وفات سے دو تین ہفتے پہلے ان سے علی گڈہ میں ملاقات ہوئی تھی، کمزور و نحیف تھے، مسلسل بخار نے ان کو نیم جان کر دیا تھا، پھر بھی حسب دستور بعد عصر اپنی قیامگاہ کے برآمدہ میں مونڈھے پر بیٹھے تھے، احباب آس پاس حلقہ باندھے تھے اور وہ مصروف خوش کلامی تھے، مین نے عمر پوچھی تو ٹال گئے، مین نے اپنی عمر کے اندازہ سے ان کا اندازہ لگا کر عرض کیا کہ عجب نہین کہ آپ کی پیدائش ۱۸۷۰ء کی ہو، ہنسکر بولے، مجھے تو اپنی عمر آپ معلوم نہین، اور آپکو معلوم ہے، یہانتک کہ سنہ بھی بتا دیا، اس انکار پر بھی میرا قیاس یہی ہے کہ ان کی پیدائش کا سال قریب قریب یہی ہوگا، اور اس وقت ان کی عمر ساٹھ پینسٹھ کے بیچ مین ہوگی، دیکھنے مین تو مند اور صحیح معلوم ہوتے تھے، مگر اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، اخیر ملاقاتون مین اپنے وطن کے بعض دوستون کی بے وقت موت اور عزیزون کی محبت کی محرومی سے بے حد متاثر تھے، رحمۃ اللہ علیہ،

مقالات

تہنید

"تہنید" کے اگر ہم ٹھیٹ معنی کریں تو "ہندیانا" کہہ سکتے ہیں، یہ اصطلاح اصل میں عربوں سے چلی، وہ جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اصول پر خراد کر اس کو عربی بنا ڈالتے تھے، تو اسنے اس عمل کو "تعریب" کہتے تھے، یہی قاعدہ فارسیوں نے اپنی زبان میں جاری کیا تو اسکو تفریس کہا یعنی فارسی بنالینا، اب جب اہل ہند یہی کریں، یعنی وہ کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اصول پر تراش خراش کرکے اپنی زبان میں ملالیں، تو اسکو "تہنید" کہیں گے،

یہ اصول زبانون کے بڑھنے اور پھیلنے کے لئے بہت ہی مفید ہے، یہ اصول قریب قریب دنیا کی سبھی زبانوں میں چلتا ہے، اور اسکے مانے بغیر ممکن ہی نہیں، کہ زبان ترقی پاسکے، بات یہ ہو کہ زبان کوئی جامد چیز نہیں، وہ ہمیشہ بڑھتی پھیلتی، اور ادلتی بدلتی رہتی ہے، جو زبان بڑھنا چاہے گی، اسکو دنیا کی دوسری زبانوں سے سروکار رکھنا پڑے گا، اور قوموں کے میل جول کیساتھ ان کی بولیون اور لفظون کی آمد و رفت بھی لگی رہے گی، اس کا اثر یہ ہوگا، کہ اس میں دوسری زبانوں کے لفظ ملتے رہیں گے، اور بدلتے رہیں گے،

ہر زبان کے لفظون مین حرفون کی خاص ترتیب اور اس ترتیب سے خاص شکل پیدا ہوتی ہے جس طرح انسان انسان سب برابر ہیں، پھر بھی فرنگی، حبشی، ہندی، چینی، ترکی سب کی شکلیں

ایک نہیں ہوتیں، ہر ایک کا رنگ روپ اور ناک نقشہ ایک نہیں ہوتا، یہی مختلف بولیوں اور ان کے لفظوں کا حال ہے، اسی لئے ایک قوم کا آدمی جب کسی دوسری قوم کی بولی کا کوئی لفظ لیتا ہے، تو اس کی زبان کی فطرت مجبور کرتی ہے، کہ ارادہ اور احساس کے بغیر اس کی شکل بدل دے، ہندوستان کے باہر کا آدمی خواہ کچھ ہی کرے، مگر وہ ہمارے ہندی حرفوں کو کبھی نہ بول سکے گا، وہ اسکو کچھ نہ کچھ بدل دے گا، اور نہ ہمارے لہجہ سے ہمارے لفظوں کو نکالے گا، وہ اس میں بھی کچھ ہیر پھیر کریگا،

یہی حال ہندیوں کا بھی ہے، عربی کے خاص حرف وہ ادا نہیں کر سکتے، ع، ح، اور الف میں اور ث، ص، اور س میں اور ت اور ط میں وہ فرق نہیں کر سکتے، اسلئے دوسری زبان کا جو لفظ ہمارے یہاں آئے گا، وہ جب تک اپنی بیگانگی چھوڑ کر بالکل گھریلو نہ بنجائے گا، وہ ہمارے دیس میں رہ نہیں سکتا، یہی وجہ ہے، کہ عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کے جو ہزاروں لفظ ہماری زبان میں آگئے ہیں، وہ ہماری زبان کے قاعدوں پر چڑھ کر ہماری زبان کی شکل وصورت اختیار کرنے پر مجبور رہیں،

معمار کے معنوں میں راج کی اصل عربی اور فارسی میں راز ہے، مگر ہمارا ہندوستانی لفظ راج ہی ہوگا، عربی کا صحیح لفظ تمنّی ہے، مگر فارس والوں نے اس کو لیا تو تمنّا کر دیا، اور ہم نے بھی اسی کو قبول کیا، عربی تماشی کو ایرانیوں نے تماشا کیا، اور ہم کو بھی یہی تماشا پسند آیا، لالٹین کی اصل لینٹرن ہے، مگر ہم کو لالٹین ہی کی روشنی پسند ہے لٹین انگریزی ہو تو ہو، مگر ہمارا لفظ تو تو ام ہے، جو مٹن کی بگڑی ہوئی شکل ہے،

لفظ تبادلہ عربی کے لحاظ سے غلط ہی کیوں نہ ہو، لیکن ہماری زبان میں یہ صحیح ہے، اسکو چھوڑ کر مبادلہ یا تبادل بلوانے کی کوشش زبردستی ہوگی،

محاذی کی عربی اصل محاذی، اور ہندوستانی ورے (دلی میں بولا جاتا ہے) کی اصل عربی ورا ہے، مگر اب محاذ اور ورے کو چھوڑ کر ان معنوں میں محاذی اور ورا نہیں بولا جا ئیگا، تبدیل کے مقابلہ میں تبدیلی خود غلط ہی ہو، مگر وہ ہمارے ہاں صحیح ہے، خود صحیح کو تصحی ہم نے کر دیا ہے، اور اس سے ایک نئے معنی پیدا کر لئے ہیں، احوال عربی میں جمع ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ ہماری زبان میں واحد کے طور پر بولا جاتا ہے، متعنی کا لفظ عربی میں واحد ہے، مگر اردو والے اسکو جمع بولتے ہیں، "ماتحت" عربی کے لحاظ سے بے معنی ہے، مگر ہماری زبان کا وہ نہایت صحیح و فصیح اور با معنی لفظ ہے، آشنا ہندی کا چاہے کھرا لفظ ہو، مگر ہماری زبان میں وہ آس بنکر آیا ہے، اور وہی صحیح ہے، ہندی میں وچار ہو تو ہو، مگر وہ ہمارے ہاں بچار ہے،

اسی طرح عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، اور یورپ کی زبانوں کے ہزاروں لفظ اپنی اپنی صورت بدل کر ہماری زبان میں ایسے رُل مل گئے ہیں، کہ ان کو پہچان پہچان کر اگر ہم ان کی اصلی شکلوں میں لکھنے اور بولنے لگیں، تو خود ہماری زبان کی حکومت ہمارے ملک سے اٹھ جائے گی، اور ایسے بدیسیوں کی بھیڑ ہر جگہ دکھائی دے گی، جو ہمارے دیس کے قانون کو نہیں مانتی، اسلئے ان بدیسیوں کو اس دیس میں رہنے سہنے کی اجازت اسی وقت ملسکتی ہے، جب وہ ہمارے دیسی قانون کو قبول کر کے دیسی بنجائیں،

لفظی شکل وصورت کے تغیر سے بڑھ کر معنوی تغیرات ہیں، ہزاروں عربی اور فارسی کے ایسے لفظ ہیں، جن کے معنی خالص ہندوستانی ہیں جن کو عربی، اور فارسی والے جانتے بھی نہیں، اور وہ اسی قاعدہ کے مطابق بنے ہیں،

اسی سے کسی زبان کی خود مختارانہ حکومت کا پتہ چلتا ہے، لفظ خواہ کسی قوم اور ملک کے ہوں، مگر جب وہ دوسری قوم اور ملک کی زبان میں چلے جاتے ہیں، تو ان کی مثال ان لوگوں

کی سی ہے، جو پیدا کہیں ہوئے ہوں، لیکن جب کسی دوسرے ملک کی رعایا بنجاتے ہیں، تو اسی دوسرے ملک کے قاعدے اور قانون ان پر چلا کرتے ہیں، اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا، کہ ان کی پیدائش کہاں کی ہے، اور یہ پہلے کس کی رعایا تھے،

کسی لفظ کو ہندوستانی بنا لینے کے بعد ہم کو حق ہے، کہ ہم اسکے وہ معنی سمجھیں، جو اصل معنی سے مجاز کے طور پر یا اس کے قریب ہونے یا کسی اور لگاؤ کی وجہ سے ہماری زبان میں پیدا ہو گئے ہیں، اسی فقرہ میں دیکھئے کہ "وجہ" عربی لفظ ہے، عربی میں اسکے معنی منھ کے ہیں، اس سے رُخ کے معنی پیدا ہوئے، اور اس سے سبب کے معنی پیدا ہو گئے، خود سبب کیا ہے؟ عربی میں اسکے معنی رسی اور ڈوری کے ہیں، جس سے کسی کو باندھا جائے، اس سے عربی میں ذریعہ کے معنی پیدا ہو گئے، اس سے اہل فلسفہ اور فارسی، اور اردو والوں نے اس کو علت اور وجہ کے معنی میں بول دیا، اور لیجئے، اسکی جمع اسباب بنائی، اور اسکے دو معنی قرار دئے، جب اسکو مفرد کے طور پر بولیں تو سامان سمجھیں، اور جب جمع بولیں تو وہ سبب کی جمع ہے،

اسباب کے معنی سامان کے نہ عربی میں ہیں نہ فارسی میں بلکہ خالص ہندوستانی میں ہیں،

میں نے معارف میں ایک دفعہ اثر کی جمع اثرات لکھدی تھی، میرے مخدوم دوست سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے جو بڑے نستعلیق انشا پرداز اور نفاست پسند اہل قلم ہیں، خط لکھ کر مجھے فوراً ٹوکا کہ عربی میں اثر کی جمع آثار ہے، اثرات نہیں، میں نے مذاقاً جواب دیا، کہ میں نے وہ لفظ اردو میں لکھا ہے عربی میں نہیں،

لیکن یہ مذاق میں ٹالنے کی بات نہیں، خدا جانے اور کتنے فضلاء اس قسم کی بالارادہ غلطیوں کو لکھنے والوں کی جہالت سمجھتے ہونگے، مگر بات یہ نہیں، عربی میں "اثر" کے معنی زمین پر قدم کے نشان کے ہیں، قرآن میں ان ہی معنوں میں یہ لفظ آیا ہے، اہل فلسفہ کو اپنے لئے لفظوں کی ضرورت پڑی

انھوں نے اسکو لیا اور اس سے تاثیر اور تاثر اور اثر بمعنی نتیجہ کئی لفظ بنا لئے، اس سے فارسی اور اردو میں اثر نتیجہ کے معنی میں آگیا، یعنی جس طرح قدم اٹھ جانے کے بعد قدم کا نشان رہ جاتا ہے، اسی طرح کسی شے کے ہٹ جانے یا مٹ جانے کے بعد اس کا جو نشان رہ جائے، اس کو اس کا اثر کہنے لگے، اب اس کے بعد اثر خاصیت کے معنی دینے لگا، جیسے فلاں دوا کا اثر یہ ہے، میری بات کا اثر یہ ہے، ملک میں ان کا اثر ہے،

اب جمع میں آئیے، اسکی عربی جمع آثار بنی، لیکن اردو میں اس کے معنی "قرینہ" کے ہوں گے جیسے آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے، یا پھر دیوار کا آثار ہے، یا پرانی یادگاروں کے معنی میں ہے، جیسے آثار قدیمہ، اسی لئے اثر نتیجہ یا تاثیر کے معنی میں جب بولیں گے، تو اس کی جمع اثرات بنائی جائے گی، خواہ وہ عربی کے لحاظ سے کتنی ہی بے قاعدہ ہو،

قرینہ ہی کا لفظ دیکھئے، عربی میں قرن کے معنی ملانے کے ہیں، قرین، ان دو جانوروں میں سے ہر ایک کو کہتے ہیں، جن کے پاؤں ایک رسی میں ملا کر باندھ دئے جائیں، اس سے قرین کے معنی عربی میں ہمسر کے، اور قرینہ کے معنی بیوی کے ہو گئے، لیکن اردو میں قرین کے معنی قریب، نزدیک اور پاس کے ہیں، اور قرینہ کسی شے کے ہونے کے قیاسی لوازم، جیسے قرینہ یہ کہتا ہے، قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے

اب لوازم کو دیکھئے، عربی لزم اور لزوم سے نکلا ہے، لازمہ کی جمع ہے، کسی شے سے چپک جانے کو لزوم کہتے ہیں، اس سے اہل منطق نے ایسے مفہوم و معنی میں جس کا کسی دوسری شے سے چپکا رہنا ضروری ہے، یا وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتا، اسکو استعمال کیا، اسی سے ہماری اردو میں لازم کے معنی ضروری کے ہو گئے، اسکی جمع کسی طرح لوازم بنی، اب اردو میں اس کی جمع لوازمات بنائی گئی، اور اس کے معنی کسی شے کے ضروری سامان و اسباب کے ہو گئے، لوازمات کے اس معنی کا اردو واحد سنئے، لوازمہ جسکو عربی سے ادنیٰ تعلق نہیں،

جنس کا لفظ کون نہیں جانتا، مگر یہ جنس عرب کی نہیں، یونان کی ہے، عربی میں منطق والے لائے،
اور اسکی تعریب کر کے اس سے تجنیس، مجانست، تجانس وغیرہ مصدر بنائے، جنس منطق کی اصطلاح
میں اس کلی (عام چیز) کو کہتے ہیں، جس کے تحت میں کئی مختلف حقیقتوں کی اشیاء داخل ہوں جیسے
حیوان، کہ یہ انسان اور گھوڑے گدھے، گائے بھینس، بکری وغیرہ ہر جاندار کو کہتے ہیں، اب اس سے
ادبی جنس پیدا ہوئی، یعنی کسی حقیقت مشترکہ کے مختلف افراد، اس سے ابنائے جنس بنایا، (ایک جنس
کے بیٹے) یعنی ایک حقیقت کے سارے شریک، جیسے سارے انسان آپس میں ابنائے جنس
ہیں، اب اس سے بھی خاص ہو کر ہم جنس بنا،

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز ؎

اب اس سے آگے بڑھ کر ہندوستان میں جنس کے معنی قسم ہو گئے، اور خاص طور سے غلہ کی
قسم کے ہو گئے، کہتے ہیں، "نقد و جنس" نقد کے معنی روپے پیسے کے، اور جنس غلہ یا سامان، اسکی جمع اجناس
جو بنی تو یہ غلون کے اقسام پر مشتمل ہو گئی، اور "نرخ اجناس" کی صورت میں اسکی جنس ہی بدل گئی،

لفظ نقد کو تو دیکھئے کہ یہ کیا ہے، نقد کے عربی معنی پرکھنے کے ہیں، اس سے ریویو کے معنوں
میں آج کل نقد یا تنقید کہتے ہیں، چونکہ پرکھے سکے جاتے ہیں، اس سے فارسی میں نقد کے معنی سکے
کے ہو گئے، اور دام کی صورت میں سکے دیئے جاتے ہیں، اسلئے اردو میں نقد دام کے معنی اس دام کے ہو گئے جو
فوراً دیئے جائیں، اور نقد اور ادھار دو متقابل کے اردو لفظ ہو گئے،

خیر عربی کا لفظ ہے، اسکے معنی بھلے اور نیک کے ہیں، ہماری زبان میں یہ لفظ ایک
تکیۂ کلام کی صورت میں ہے، اور اکثر ذرا و تفنن کے طور پر یہ بول دیا جاتا ہے، پھر ہم نے اسمیں "یت"
اور "ت" لگا کر اسکو خیریت بنا دیا، اور اسکے معنی اچھی خبر کے ہو گئے، "خیرات" لگا کر اسکی بے قاعدہ جمع

خیرات بنا دی تو صدقہ کے معنی ہو گئے،

عربی میں مؤنث لفظوں کی جمع سالم بنانے کا طریقہ یہ ہے، کہ ان کے آخر میں ات لگا دیئے
جائیں جیسے مسلمہ سے مسلمات، مگر پہلے فارسی والوں نے اور ان کی دیکھا دیکھی ہندوستانیوں نے
اس میں ایسی آزادی برتی کہ فارسی اور ہندی لفظوں تک کی جمع اس طرح بنانے لگے، جیسے
کاغذات، دستاویزات، دیہات، اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہو کہ جس لفظ کے آخر میں ہ دیکھا
اسمیں جات لگا دیا، جیسے صوبہ جات، میوہ جات، علاقہ جات،

علاقہ ہندوستانی میں زمینداری کے گاؤں کو کہتے ہیں، عربی میں اس کے معنی لگاؤ کے ہیں،
اسی لگاؤ سے ہر چیز جس سے آپ کو لگاؤ ہے، آپ کا علاقہ ہے، غدر کے معنی عربی میں بدوفائی
کرنے کے ہیں، اس سے اس بے وفائی کو کہنے لگے، جو فوج اپنے عہد کو توڑ کر اپنے افسروں
سے کرے، اس فوجی بے وفائی کا نتیجہ بدامنی ہے، یہ دونوں معنی ہندوستان میں پیدا ہوئے،
بڑے شہروں میں بدامنی کے واقعے زیادہ پیش آتے ہیں، تو بڑے شہر کو ہم نے غدار شہر کہدیا،

ایک جائداد کی فروخت کا ذکر ہو رہا تھا، اس پر ہمارے گاؤں کے ان پڑھ ہندو پٹواری
نے کہا "دیکھ لیا جائے کہیں جداد مبوس تو نہیں ہے" جداد تو میں سمجھا کہ جائداد ہے، مگر مبوس نہیں
سمجھا، مگر سوچتا رہا، کچھ دنوں کے بعد خیال آیا کہ یہ عربی محبوس ہے، جس کے معنی "قیدی" کے ہیں اسی
سے حبس اور محبوس عربی میں وقف کے معنی میں ہیں اب معلوم ہوا کہ وہ پرانے شاہی کاغذات کی
اصطلاح بولا، مقصود یہ تھا، کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ جائداد کہیں قید تو نہیں، یعنی کسی کے رہن یا
بیع میں تو نہیں ہو،

تقریب کے معنی نزدیک کرنا پھر جو کسی مقصد سے قریب کرنے کا ذریعہ ہو، اسکو تقریب کہا،
اب ہندوستانی ملاقات کے ذریعہ کو تقریب کہنے لگے ہ ع

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے،

ملنے ملانے کا سب سے عمدہ موقع کسی شادی او رخوشی کے مراسم کا موقع ہے، اسلئے ہم شادی وخوشی کے موقعوں کو تقریب کہنے لگے،

جناب کے معنی چوکھٹ کے ہیں، بادشاہوں سے براہ راست مخاطب نہیں ہوا جاتا تھا، اسلئے ان کے آستانہ اور چوکھٹ کی طرف نسبت کرکے بات کہی جاتی تھی، اس سے جناب تعظیمی خطاب کا لفظ ہوگیا،

حضرت بھی بڑے حضرت ہیں، حضرت کے اصلی معنی حاضر ہونے کے ہیں، اس سے حضرۃ کے معنی عربی میں بادشاہ کے حضور اور پیشگاہ کے ہوئے، ہمارے ہندوستان میں اب یہ بھی تعظیمی لفظ ہوگیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مغلوں کے زمانہ میں بنا، اس سے پہلے بندگی اور خدمت کے لفظ تھے، ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں،

حضرت ہی کی دوسری صورت حضور ہے، اسکے بھی وہی معنی اور وہی روداد ہے، حضرت کے ساتھ صاحب کا بھی خیال آیا، صاحب کے عربی معنی ساتھی کے ہیں، اس سے عربی میں والا کے معنی پیدا ہوئے جیسے صاحب علم (علم والا) اسکے بعد وزیروں کو جو بادشاہوں کے ساتھی اور مصاحب ہوتے تھے صاحب کہنے لگے، جیسے صاحب ابن عباد وغیرہ، اب صاحب کے معنی آقا کے ہوئے اور ہر نام کے آخر میں تعظیم کے لئے لگنے لگا، انگریز آئے تو وہ سارے ہندوستانیوں کے آقا ٹھہرے اسلئے وہ صاحب ہوئے،

ایک بادشاہ کی جگہ پر جب دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا، تو اس کے لئے عربی کا لفظ جلوس غیر عربوں نے استعمال کیا، جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں، اور سال جلوس تخت نشینی کے سال کی اصطلاح بنی، اور چونکہ جب نیا بادشاہ پہلی دفعہ تخت پر بیٹھتا تھا تو تزک واحتشام

و لاؤ لشکر کے ساتھ نکلتا تھا، تو ہم ہندوستانی تزک واحتشام کے ساتھ کسی مجمع کے نکلنے کو جلوس کہنے لگے، اسکو عربی سے کوئی تعلق نہیں، اور جب بادشاہ اور حاکم دربار میں بیٹھے، تو ہم نے جلوس سے اجلاس بنا لیا جس کے معنی بٹھانے کے ہیں، اور اب نئے زمانہ میں انجمنوں اور جلسوں کے بھی اجلاس ہونے لگے،

جس جگہ بیٹھیں عربی میں اس کو مجلس کہتے ہیں، بعض علماء اور صوفیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ خاص دنوں میں بیٹھکر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے یا درس دیتے، اس سے اس قسم کی نشست کو اور پھر اس نشست کی تقریبوں کو مجلس کہنے لگے مجلس ہندوستان میں ایسی نشستوں کو کہتے ہیں جن میں لوگ مذہبی اور علمی تقریریں کریں، یا مرثیے پڑھیں اور اس سے ہم نے علم مجلس بنایا، جس میں تہذیب وشایستگی کے ساتھ مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور سلیقہ اور دلچسپی کی باتیں کرنے کے ڈھنگ سکھائے گئے،

جلوس سے قعود یاد آیا، قعود کے معنی بھی عربی میں بیٹھنے کے ہیں، اس سے عربی میں لفظ قاعدہ بنا، اور اس کے معنی بنیاد کے ہوئے، یعنی دیوار کا وہ حصہ جو زمین کے اندر بیٹھے، چونکہ بنیاد ہی کے اوپر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اسلئے اہل علم نے اپنی اصطلاح میں ان اصول کو جن پر بہت سے مسئلوں کی بنیاد ہو، قاعدہ کہا، اور اب ہماری زبان میں قاعدہ قانون کے معنی دینے لگا، اور کی جمع قواعد بنائی، اور اسکو جمع مذکر کے طور پر استعمال کیا، تو اس کے معنی جزئی قانون کے ہوئے، لیکن ہم نے فوج کے نظم وضبط اور ترتیب کے ساتھ چلنے، آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے کے قاعدے بنائے تو ان کا نام بھی قواعد رکھا، اور وہ ان معنوں میں واحد مونث ہے اور خالص ہندوستانی ہے،

قاعدہ کے ساتھ اصول پر نظر رہے، یہ عربی میں اصل کی جمع ہے، اصل کے معنی عربی میں جڑ کے ہیں اسلئے جب ایک بات کی جڑ پر مسئلوں کے بہت سے تنے کھڑے ہوں تو اس بات کو اصل کہنے

لگے، اور اسکی جمع اصول بنائی، مگر جب ہم ہندوستانیون نے اس کا استعمال کیا، تو واحد کی صورت میں تو اصل کے معنی حقیقی اور واقعی کے کردیئے، اور جمع کی صورت میں اصول کے معنی قاعدوں کے کردیے اور اس جمع کو واحد بنالیا، اور کہنے لگے، ایک اصول یہ ہے، دوسرا اصول یہ ہے، اور جب اس کی جمع کی ضرورت ہوئی، تو اردو کے قاعدہ سے اصولوں کردیا، اور کہا کہ ان اصولوں سے ہم کو انکار نہیں،

مادّہ، مدّ سے اسم فاعل مؤنث ہے، اس کے معنی پھیلنے پھیلانے کے ہیں، اور مادّہ کے معنی پھیلنے والے کے ہیئے یونانی زبان سے فلسفہ کا ترجمہ جب عربی میں ہوا تو جسم کی صورت میں جو چیز پھیلی ہوئی ہے، اس کا نام مادّہ گھڑ کر رکھا، اور اس کی جمع موّاد بنائی، ہماری زبان میں یہ لفظ مواد واحد کی صورت میں زخم کے اندر جو چیز بھری ہوتی ہے، اس کے لئے بولا جانے لگا، انگریزی میں مادّہ کو میٹر کہتے ہیں، اور کسی مضمون کے معلومات کو بھی میٹر کہتے ہیں، اسلئے ہماری زبان میں میٹر کا ترجمہ بھی مواد ہوا، اور بولا جانے لگا،

حکیم برہم مرحوم (مشرق گورکھپور کے اڈیٹر) نے مجھ سے کہا تھا، کہ اصول اور موّاد ان دونوں لفظوں کو سب سے پہلے مولینا شبلی مرحوم نے اردو میں ان نئے معنوں میں استعمال کیا،

دولت عربی لفظ ہے، معنی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا، عربی میں جب مختلف سلطنتیں یکے بادیگرے بنیں اور مٹیں، تو سلطنت کو دولت کا نام دیا گیا، اور جمع دُوَل بنائی گئی، ان معنوں میں آج بھی دولتِ برطانیہ اور دول یورپ ہم بولتے ہیں، سلطنت اور بادشاہی خوش قسمتی سے ہاتھ آتی ہے، اسلئے ایرانی دولت کو خوش قسمتی کے معنوں میں بولنے لگے، جس کی یادگار فارسی کے بدولت ہماری ہندوستانی میں بھی لفظ بدولت بولا جاتا ہے، جیسے کہتے ہیں، آپ کی بدولت یہ ملا، اور پھر بدولت ذریعہ کے معنی میں ہوگیا، خوش قسمتی کی بڑی نشانی زرومال ہے، اسلئے یا اسلئے

کہ یہ زرومال بھی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے، اسکو بھی دولت کہنے لگے، اور اس سے دولت، دولتمند، اور دولتمندی کے لفظ ہندوستانی کو ہاتھ آئے،

عربی میں غصّہ کے معنی حلق میں کسی چیز کے اچھو ہو جانے یا اٹک جانے کے ہیں، ہندوستانی میں اسکے معنی غیظ وغضب کے ہوگئے، خفا فارسی میں خفہ ہے، اور معنی وہی گلے میں اٹکنے اور پھنسنے کے ہیں، ہندوستانی میں خفا ہونا، ناراض ہونے کے معنی میں ہے،

بعض لفظ خیالات کے بدولت ہاتھ آئے ہیں، عربی میں فلک آسمان کو کہتے ہین، چونکہ نجوم اور جوتش نے ہم کو یہ یقین دلایا ہے کہ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہین، اسلئے ہم نے فلک سے فلاکت بنایا، اور اس سے فارسی کی ترکیب دے کر فلاکت زدہ (فلاکت کا مارا) کیا، اور پھر اس کو عربی لفظ سمجھ کر اس کا مفعول مفلوک بنالیا، اور عربی اضافت دیکر مفلوک الحال کہدیا، حالانکہ اسکے ان معنون کو عرب جانتا بھی نہیں،

ہر لفظ پر اس تفصیل سے لکھنا پوری تصنیف کے برابر ہے، اس لئے ہم ذیل میں کچھ اور ایسے عربی لفظ لکھ دیتے ہیں، جن کے معنی ٹھیٹ ہندی ہیں، یا فارسی کے اثر یا اہل فلسفہ کی اصطلاحون سے ایسے معنوں میں بولے جاتے ہیں، جو عربی قطعًا نہیں،

عربی	عربی معنی	اردو معنی
قطعًا	کاٹکر (یعنی ہر شک کو کاٹ کر)	یقینی طور سے
لفافہ	لپیٹ	خول ، لفافہ
غارت	لوٹ	بربادی
اعتراض	آگے آجانا، سامنے پھیل جانا،	اعتراض کرنا
عرض	پھیلانا	پیش کرنا

عربی	عربی معنی	اردو معنی
مقدمہ	آگے کیا ہوا،	جو جھگڑا عدالت میں پیش ہو،
متانت	بھاری ہونا	مہذب ہونا،
متین	بھاری	مہذب
میزان	تول، ترازو	جمع
مذاق	چکھنا	ظرافت
اہتمام	غم کھانا	اہتمام کرنا
مہتم (صحیح مہتم)	غم کھانے والا	مہتم
انتظام	دھاگے میں پرویا جانا،	انتظام کرنا
منتظم	دھاگے میں پرویا جانے والا	انتظام کرنے والا
غلام	لڑکا	غلام، بندہ
فرض	واجب کرنا	ذمہ داری
ولی	دوست متولی	سرپرست، خدا رسیدہ (خدا کا دوست)
محاذ	مقابل	لڑائی کا میدان
فوج	گروہ جھنڈ	لڑائی کا لشکر
محنت	رنج و تکلیف	محنت یعنی پوری کوشش
شکل	مثل، مشابہ	صورت
شکیل	ہم شکل	خوبصورت
نقل	کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا	ایک جگہ کی خبر کو دوسری جگہ بیان کرنا

عربی	عربی معنی	اردو معنی
منظور	دیکھا گیا	قبول
دماغ	دماغ	دماغ، غرور
مدمغ	×	مغرور
غرور	دھوکا	غرور
مغرور	دھوکا کھایا ہوا	مغرور
انکسار	ٹوٹنا	خاکساری
استقلال	کم سمجھنا	مضبوطی، ثابت قدمی
عمارت	آبادی	بڑا مکان
تعمیر	آباد کرنا	بڑی عمارت بنانا
کسر	توڑنا	(اردو کسر) عیب، کمی،
اجلاس	بٹھانا	عدالت یا انجمن کی نشست
ضبط	نگاہ رکھنا	ضبط کر لینا، کسی چیز کو حاکم کا چھین لینا
ضابطہ	نگاہ رکھنے والا	قاعدہ
تقریر	ثابت کرنا	تقریر کرنا
مقرر	ثابت کرنے والا	تقریر کرنے والا
اقبال	سامنے آنا	خوش قسمتی
ادبار	پیچھے ہونا	تنزل
اقبال	× (بے معنی)	اقبال کرنا، قبول کرنا

عربی	عربی معنی	اردو معنی
رقم	لکھنا	تعداد، چیزوں کی قسم
خراب	ویران	برا، مست
دقت	باریکی	مشکل
غلیظ	موٹا	نجس
امیر	حاکم	دولت مند
غریب	مسافر	مفلس
تربت	مٹی	قبر
نفسانیت	جان ہونا	خود غرضی
غرض	نشانہ	مقصد
غایت	گھوڑ دوڑ کی اخیر حد	غرض، آخری حد
عرصہ	میدان	مدت
مدت	درازی	زمانہ
محصول	جس کا حصول ہو	ٹیکس
موضع	رکھنے کی جگہ	گاؤں
مکان	ہونے کی جگہ	گھر
بخار	بھاپ	بخار (تپ)
احاطہ	گھیرنا	گھیرا
خاطر	دل میں کھٹکنے والا	مہمان کی عزت کرنا

عربی	عربی معنی	اردو معنی
منت	احسان	عاجزانہ خوشامد
حلوا	میٹھا	حلوا
وحشت	تعجب و حیرانی	خوف
شہوۃ	کسی قسم کی خواہش	جنسی خواہش
اشتہا	"	کھانے کی خواہش
مبلغ	کسی حد تک پہنچا ہوا	روپیوں کی تعداد
ماتم	میت پر غم کرنے کے لئے جمع ہونیکی جگہ	میت کا غم،
حقہ	ڈبیا	حقہ

اس قسم کے ہزاروں عربی لفظ ہیں، جو اپنے خاص معنوں میں ہماری ہندوستانی کے خاص لفظ ہو گئے ہیں، یہی حال فارسی کا بھی ہے، فارسی کے بہت سے لفظ اور ترکیبیں ہیں، جن کو ہم نے اپنے ہندوستانی معنوں کے لئے ہندوستانی لفظ بنا لیا ہے، فارسی میں خانہ لگا کر ظرف اور مقام کے معنی کے لفظ بنائے گئے ہیں، جن کی صورت تو فارسی کی ہے، مگر معنی اور استعمال سراسر ہندی ہیں جیسے پاخانہ، غسلخانہ، باورچی خانہ، بندی خانہ اسی طرح فارسی میں دان لگا کر بھی ظرف بنتا ہے جیسے خاکدان یعنی زمین، ہندوستانی نے اس سے اپنے بیسیوں لفظ بنائے، جیسے پاندان، اگالدان خاصدان، عطردان، گلدان، جزدان، چائدان، دودھ دان، شکردان روشندان، نابدان سنگاردان شمعدان،

تصغیر کے لئے دان کو ہم نے کبھی دانی کر دیا، جیسے سرمہ دانی، گوندانی، مچھ دانی، تتلے دانی (سوئی تاگا رکھنے کے لئے)

گیر (لینے والا) لگا کر فارسی میں اسم مرکب بنائے جاتے ہیں، جیسے دلگیر، جہانگیر، ہم نے اس سے لفظ بنا کر بہت سی چیزون کے نام رکھدیئے، جیسے خوگیر (خو کے معنی فارسی میں پسینہ کے ہیں،) عرق گیر، کفگیر، نمگیر، پھر اس سے نمگیرا (نم یعنی شبنم چونکہ اس قسم کے خیمون سے شبنم سے بچاؤ مقصود ہے، اسلئے نمگیر کہدیا) دیوار گیر (پہلے اس کپڑے کو کہتے تھے، جو دیوار پر آرایش کیلئے لگاتے تھے، تاکہ دیوار سے پیٹھ ٹیکنے میں کپڑا خراب نہ ہو، اب اس لیمپ کو کہتے ہیں جو دیوار میں لٹکایا جائے)

اس سلسلہ میں جاگیر تاریخی لفظ ہے، جاگیر کے لغوی معنی تو جگہ لینے والا ہے، بادشاہ اپنے امیرون کو منصب کیساتھ جو گاؤں دیتے تھے، جہان جا کر امرا اکثر قیام کرتے تھے، اس کو جاگیر کہنے لگے، رفتہ رفتہ جاگیر کے خاص معنی ہوگئے، یہانتک کہ غریب طالب علموں کے کھانے کے ٹھکانے کو بھی جاگیر کہنے لگے،

اسی سے ملا ہوا جاداد کا لفظ ہے، فارسی لفظ کی اصل صورت جائداد ہے، معنی "دی ہوئی جگہ" بادشاہ کی طرف سے امیروں کو جو گاؤں ملتے تھے، وہ جاے داد تھی، رفتہ رفتہ جاداد نے زمینداری اور ملکیت کے معنی پیدا کرلئے، زمیندار اور زمینداری بھی لفظوں میں فارسی ہیں، اور معنی میں سراسر ہندی،

تنخواہ کے لفظی معنی "بدن کا چاہنے والا" معنی یوں پیدا ہوئے کہ مغلوں کے زمانہ میں سرکاری امیروں کو خوراک وغیرہ کے لئے جو معاوضہ ملتا تھا، اس کا نام تنخواہ رکھا گیا، اب تنخواہ کے معنی مشاہرہ کے ہیں، ایرانی اس تنخواہ کے حرف سے بھی واقف نہ ہونگے،

ہندوستانی نے یہی عمل ہندی اور سنسکرت لفظوں کے ساتھ کیا ہے، ہندی اور سنسکرت لفظون کو اپنانے کیلئے انکی شکلیں بدلی ہیں، انکو ہلکا کیا ہے، ان کی ترکیبوں سے نئے نئے لفظ بنائے ہین،

منہال، منہ ہندی ہے، نال، نالی، اور نل لمبی سوراخ دار چیز کو کہتے ہیں، جیسے بندوق کی نال، ویسی ہی نیچہ کی نالی کے منہ پر جو لگایا جائے، وہ منہال ہے، گنگا اور جمنا دو دریاؤں کے نام ہیں، سونے چاندی کے ملان سے جو نقاشی کیجائی، وہ گنگا جمنی ہے، لفظ برہمن تھا جو ذرا بھاری تھا، اسکو ہماری زبان نے برہمن کردیا، اسی طرح گنتر کو گن کر کے ہلکا کردیا، برکھا رت نے برسات کی شکل اختیار کی، وچار، بچار ہوگیا، اور سوچ بچار کے ساتھ بولا جانے لگا، آشا نے آس ہو کر یہ مثل کہوائی، کہ جب تک سانس ہے تب تک آس ہے، اسی طرح ہندی اور سنسکرت کے لاتعداد لفظوں کو ہندوستانی نے ذرا ذرا ہیر پھیر سے اپنے رنگ میں رنگ کر ان پر زمانہ کے تغیر کا نیا رنگ چڑھا یا ہے،

غرض عربی اور فارسی اور سنسکرت نسل کے ان ہندوستانی بچوں کی تعداد بے شمار ہے، یہاں ان سب لفظوں کو پہچنوانا، اور بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے، کہ آج ہمارے سنسکرت دوست ہندو دوستوں کو جو یہ کد ہے، کہ ہندوستانی زبان کے ہر ہندی یا سنسکرت لفظ کو اصل صحیح ہندی اور صحیح سنسکرت رنگ روپ میں دیکھیں، اور اسی صحیح ہندی اور سنسکرت نام سے ان کو پکارین، ان کو تسلی رہے، کہ ہندوستانی نے عربی اور فارسی لفظوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا ہے، اور ہر خود مختار زبان کو اس کا حق ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے لفظون کو اپنی رعایا بنانے کے لئے ان کے ساتھ یہ سلوک کرے، یہ ہر خود مختار زبان کا حق ہے، اور کسی کی قدرت میں نہیں کہ وہ اس سے اس کے اس حق کو چھین سکے،

خلافت اور ہندوستان

علی مردان خان

از

جناب عبداللہ صاحب چغتائی ام اے ڈی لٹ،

(۲)

علی مردان خاں کا نظام انہار

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں زراعت کی آب پاشی مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے، بعض مقامات پر قدرتی آبپاشی کے لئے دریا ہیں، بعض پہاڑی مقاموں پر کافی مقدار میں پانی جمع رہتا ہے، بعض مقاموں پر نہروں کے ذریعہ سیرابی کیجاتی ہے، اور یہ وہیں ممکن ہے جہاں پہاڑ نہ ہوں اور زمین ہموار ہو، شمالی ہند کا خطہ جغرافی اعتبار سے اس قابل ہے کہ یہاں نہروں کے ذریعہ آب رسانی کیجائے جسے ابتداء سے محسوس کیا گیا ہے، چنانچہ جب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو اس طرف خاص توجہ کی گئی، اور اس کے لئے محکمۂ انہار قائم کیا گیا، اس سلسلہ میں بہت سی نوآبادیاں بس گئیں، بعض اور ان نہروں اور دریاؤں سے سامان کی بہم رسانی کا کام بھی لیا گیا، یہی وجہ ہے کہ مغلوں نے عام طور پر دو وجوں سے اپنی تمام تاریخی اور اعلیٰ عمارتیں دریاؤں کے کنارے تعمیر کیں، ایک تو اپنے حسن ذوق اور قدرتی مناظر سے لگاؤ کی وجہ سے، دوسرے دریاؤں کے ذریعہ سامان کی بہم رسانی آسان تھی،

اس سلسلہ میں سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق کا نام آتا ہے جس نے ۷۴۳ھ میں بنگال کو چھوڑ کر تمام ہندوستان کی عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اس طرف خاص توجہ کی اور شہر حصار کو جو عرصہ سے

خشک پڑا تھا آباد کیا، اور دور دراز کے سوداگروں اور رعایا کو پانی کی قلت کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی تھی وہ جاتی رہی، تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ پہلے اس نے یہاں ایک قلعہ بنام حصار فیروزہ تعمیر کرایا، اور اس کے اردگرد ایک خندق کھدائی، اور قلعہ کے اندر ایک تالاب بنوایا، اور ان دونوں کو پانی سے لبریز کرنے کے لئے ایک نہر کوہستان سے نکال کر ہانسی وکرنال کے راستہ سے حصار تک لایا، یہ نہر اس زمانہ میں ۲۴۰ میل لمبی تھی،

ایک اور نہر دریائے ستلج سے نکالی، جس کا نام "الغ خانی" رکھا، یہ دونوں نہریں رفاہ عام کے لئے شاہی خزانہ سے تیار ہوئیں اور اس کا کوئی بار رعایا پر نہیں ڈالا گیا، اور نہر کے گرد ونواح کی آراضی زراعت پیشہ لوگوں کو عطا کی گئی، فیروز شاہ نے اس قسم کے اور بہت سے کار خیر کئے،

اس کشمکش میں مغلوں کا زمانہ آگیا، جس میں علوم وفنون پر خاص توجہ کی گئی، اور سارے ملک میں ایک روح پھونک دی گئی، بالاتفاق عہد مغلیہ کا شباب شاہجہان کا زمانہ کہلاتا ہے، جو ہمارے اس وقت پیش نظر ہے، علی مردان خاں کے جیسے ماہرین فن اس کے عہد حکومت میں موجود تھے، جنھوں نے شاہی حکم سے ہند کو خلد بریں بنادیا تھا،

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج سے پچاس سال قبل جتنی نہریں بھی موجود تھیں سب اسی عہد کی یادگار تھیں، جنمیں سے کچھ اب تک قائم ہیں، اور نظام انہار میں جو ترقیاں ہوئیں وہ سب انھی کی بدولت، ذیل میں ان چند نہروں کی مختصر کیفیت درج کیجاتی ہے جنھیں علی مردان خاں نے رفاہ عام کیلئے شاہی خزانہ کے مصارف اور اپنی سعی بلیغ سے بہ صرف کثیر جاری کیا،

نہر دہلی

یہ نہر شالامار باغ کی بنیاد کہی جاسکتی ہے، اسے علی مردان خاں نے دو لاکھ روپیہ کے صرف سے بنوایا، اس کی تعمیر کی تاریخ یہ ہے کہ علی مردان خاں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ

قدوسی کے ہمراہ ایک شخص ہے جو نہر کے بنانے میں مہارت رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ دریائے راوی کے دہانہ سے جہاں سے وہ کوہستان سے نکل کر ہموار زمین میں بہتا ہے، ایک نہر نکال کر دارالسلطنت لائی جائے جس کے ذریعہ کھیتوں اور باغوں کی آسانی سے آبپاشی ہو سکے، بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی، اس کو شاہی خزانہ سے ایک لاکھ روپیہ دیا گیا، چنانچہ لاہور سے ۴۹ جریب کی مسافت پر یعنی راج پورہ موضع نور پورہ کے قریب نہر کی کھدائی شروع ہوئی، لیکن یہ رقم ناکافی تھی، ایک لاکھ مزید صرف سے یہ نہر مکمل ہوئی، اس نہر سے پنجاب کو اتنا بڑا فائدہ پہنچا کہ تمام ضلع گورداسپور وغیرہ زرخیز ہو گئے، اور غیر آباد جگہیں آباد ہو گئیں،[1]

نہر جمنا علی مردان خان کی دوسری یادگار نہر جمنا ہے، گوہانہ کے راستے سے ہوتی ہوئی قدرتی نشیب کے ساتھ ساتھ جس جگہ اب بڑی نہر بہتی ہے، یہ نہر کھودی گئی تھی، یہ نہر پانی پت اور سونی پت کے راستہ سے ایک مرتبہ ناکامیاب ہو چکی تھی، اس نہر کو دہلی تک لایا گیا تھا، امیر شاہی خزانہ کا بیشمار روپیہ صرف ہوا، اور اس کی تعمیر میں انجینیرنگ کا کمال دکھایا گیا، اس میں جمنا کا پانی اس کے داہنے کنارے کے نیچے سے آتا تھا، ہر سال داؤد پور کے قریب فتح پور میں تاجو پور سے قریباً ۴ میل پر پشتہ بندی کی جاتی تھی، اس کے لئے جو راستہ اختیار کیا گیا تھا، وہ ایک نالی کی صورت میں تھا، جو نہر دہلی کے چاندنی چوک و قلعہ تک آتی تھی وہ اسی کی شاخ تھی، اور دائیں کنارے کے نیچے بہتی تھی،[2]

نہر چناب دوآب مغلوں کے زمانہ میں سیالکوٹ سرکار لاہور میں شمار ہوتا تھا، اور علی مردان خان صوبہ لاہور کا گورنر تھا، اس نے ایک نہر دریائے چناب سے نکال کر ادھر کے تمام

[1] امپیریل گزٹ ص ۱۶ و ۱۷، [2] ایضاً و گائڈ قلعہ دہلی وغیرہ ص ۴۰،

خشک اطراف کو سیراب کیا،[1]

رہتک کی نہر بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۶۴۳ء میں نواب علی مردان خاں نے رہتک کی نہر بنوائی جس میں فیروز شاہ کی پرانی نہر سے پانی لایا گیا،[2]

کار خیر میں مسلمانوں کا مطمح نظر اس بیان کے آخر میں ایک الزامی اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں، پنجاب ایجوکیشنل جرنل فروری ۳۵ء میں جناب لالہ سوہن لال صاحب معلم جغرافیہ ٹریننگ کالج لاہور کا ایک مضمون "پنجاب میں آبپاشی کے ذریعے" میری نظر سے گذرا، اس میں وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "شاہانِ مغلیہ نے جو نہریں بنائیں، وہ رفاہ عام کی غرض سے نہیں تھیں بلکہ اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھکر بنائی گئی تھیں" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان الفاظ سے ان کا مقصود کیا ہے، لالہ صاحب جیسے باخبر شخص سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی، تاریخی حیثیت سے ان کے بیان کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق و شاہجہاں دو مسلمان بادشاہ ایسے گذرے ہیں، جنھوں نے انہار کے ذریعہ رفاہ عام کی کوشش کی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، مزید ثبوت کے لئے دونوں کے عہد کی ہمعصر تاریخوں سے چند مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جو اسکی تردید کیلئے کافی ہیں:

تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی کا بیان،

(۱) مقدمہ ششم در بیان کافتن جوئیہا کہ بہ نفع عام تعلق دارد و ریگستانہا و بیابانہا کہ خلقی در آں زمین از بے آبی و تشنگی ہلاک می شد و حوش و طیور از تشنگی می مردند در عصر ہمایوں فیروز شاہی مثل جون و مانند گنگ جوئیہا دور از قیاس پنجاہ چگاں

[1] امپیریل گزٹ ص ۳۲۸/۲۲ [2] امپیریل گزٹ ص ۳۶۹/۲۱ بادشاہ نامہ عبدالحمید و عمل صالح میں لاہور کی نہر کی مفصل کیفیت دی ہے، ص ۳۱/۲ ،

شصت گان کردہ کا فتند [1]

(۲) تاریخ فیروز شاہی شمس الدین عفیف میں ہے،

"سلطان فیروز شاہ ہمدان را محل فرمود کہ از حضرت رب العالمین امید میدارم چوں من بندہ امیدوار بامید حضرت پروردگار دریں دیار برائے منافع مسلمانان نیکو کار شہرے بنا کنم، خدائے تعالی بقدرت اعلی دریں زمین آب نیز پیدا آرد" [2]

بادشاہ نامہ ملا عبد الحمید لاہوری میں نہر ہنسلی کے متعلق جو راجپورہ سے لائی گئی تھی، مذکور ہے، کہ

"آب راوی از کوہستان برآمدہ بر زمین ہموار میرود نہرے کہ آب آن بر مزارع و بساتین بنشیند جدا کردہ تا حوالی دار السلطنت لاہور بیارد، از آنجا کہ توجہ ملک پیرای عمارت افزا بر تہیۂ اسباب آبادی بلاد و تعبیہ مصالح و رفاہیت عباد مصروف است" [3]

ان تحریروں سے جو معصر کہی جا سکتی ہیں، اور واقعی ہیں بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے مفاد کے لئے کہاں تک یہ کام کئے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کاموں کے لئے انھوں نے کوئی نیا ٹیکس وصول نہیں کیا، اور نہ اس کا بار رعایا پر ڈالا، بلکہ تمام مصارف شاہی خزانہ سے ادا ہوئے،

جنگی خدمات [4] چونکہ علی مردان خان کابل اور قندھار سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے جب

[1] ضیاء الدین برنی، ص ۲۲۵ و [2] شمس الدین عفیف ص ۱۲۶، [3] بادشاہ نامہ ص ۱۶۸،
[4] ان تمام واقعات کی مفصل کیفیت بادشاہ نامہ و عمل صالح اور مآثر الامرا میں دی ہوئی ہے، مگر یہاں محض اختصار دیا جاتا ہے،

کبھی ادھر کسی مہم کا موقع پیش آیا تو اعلیٰ حضرت نے اس کے تجربہ و مشاہدہ سے ضرور فائدہ اٹھایا، چنانچہ سنہ ۱۸ جلوس میں جب نذر محمد خان کے فرزند سبحان قلی خاں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے بلوچ زمینداروں کے علاقوں اور بعض دوسرے قبائل ہزارا وغیرہ پر جو لب دریا آباد تھے حملہ کیا اور لوٹ مار کر کے بامیان سے بیس کوس کے فاصلہ پر اس ارادہ سے رک گیا کہ موقع پاکر پھر دست درازی شروع کر دے تو علی مردان خان نے فریدوں اور فرخ کو جو اس کے معتبر غلام تھے، ایک جماعت کے ساتھ اس کی سرکوبی کیلئے مقرر کیا انھوں نے پہنچ کر ازبکی خیموں پر حملہ کر کے غنیم کو بھگا دیا، اس کے بعد سنہ ۱۹ جلوس میں علی مردان خان نے فوج کا ایک دستہ کابل سے کہمرد روانہ کیا، چونکہ غنیم کے ساتھ فوج کم تھی اس لئے وہ بغیر لڑے بھاگ گیا، اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا، اور خود فوج کے ہمراہ کابل واپس آگیا، مگر اس کے بعد پھر پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جسے اس نے کسی اور موقع کے لئے ملتوی کر دیا، اور بدخشان کی فتح کے لئے بڑھا، مگر یہ بڑی نازک مہم تھی، اس لئے اعلیٰ حضرت کو یہ اقدام پسند نہ آیا، اور اس نے سنہ ۱۰۵۲ھ میں شہزادے مراد بخش کو علی مردان خان کے ہمراہ پچاس ہزار فوج دے کر بلخ و بدخشاں کی فتح کے لئے بھیجا، ان سیاسی جنگوں سے علی مرداں خاں کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو جسے شاہ صفوی نے یرغمال کے طور پر روک رکھا تھا طلب کرے، بعد میں شاہ عباس ثانی نے اسے روانہ کر دیا،

چند دنوں کے بعد نذر محمد خاں کے دوسرے لڑکے سلطان خسرو نے علم بغاوت بلند کیا اس سے سرحد کے حالات دن بدن ابتر ہوتے گئے، اس وقت شاہزادہ مراد وہاں موجود تھا، لیکن بجائے اسکے کہ وہ اس کا سد باب کر کے اس تازہ مفتوحہ علاقہ کا قرار واقعی انتظام کرتا، واپسی کا ارادہ کر لیا اور شاہی امتناعی حکم کے باوجود نہ رکا، ورنہ اس ملک کا نظام

درہم برہم نہ ہوتا، اس عدول حکمی کی سزا میں اعلیحضرت نے شہزادہ کو منصب و جاگیر سے محروم کردیا، اور اس کی جگہ وزیر اعظم سعد اللہ خاں کو مقرر کیا، اور علی مردان خان کو کندی کے سرکشوں کو قرار واقعی سزا دینے کا حکم ملا، اور یہ حکم بھی ہوا کہ بدخشان کے حاکم کے پہنچنے کے بعد وہ کابل کی صوبہ داری پر لوٹ آئے،

اسکے بعد سنہ ۱۰۵۵ھ میں شہزادہ اورنگ زیب بہادر کو بلخ و بدخشان کی ولایت پر مامور کرکے علی مردان خاں کو اس کے ہمراہ کیا گیا، جب وہ بلخ پہنچا تو معلوم ہوا کہ عبد العزیز خان والی بخارا اور نذر محمد کے فرزند نے جیحوں کی سمت او غلی بیگ کو تورانی فوج کے ساتھ پہلے ہی روانہ کردیا ہے، اور وہ اپنے باغچہ میں خیمہ زن ہے، چنانچہ جب اورنگ زیب بلخ میں داخل ہوا تو ازبکوں اور مغلوں میں بڑی جنگ ہوئی، عبد العزیز ایک ہی دن میں جیحون کے پار ہو گیا، اس کے بہت سے ہمراہی ڈوب گئے، لیکن بلخ اور بدخشان نذر محمد خاں کے قبضہ میں آگئے،

اورنگزیب اور علی مردان خاں

مجموعۂ مکتوبات عالمگیر اعظم "آداب عالمگیری" میں اس کے سریر آرا ہونے کے قبل کے آٹھ خطوط علی مردان کے نام ہیں، ان میں علی مردان خاں کی خیریت دریافت کی گئی ہے اور بعض تاریخی امور کی طرف اشارہ ہے جنکا تعلق اورنگزیب سے ہے، انکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

(۱) شہزادہ محمد سلطان نے خلوص و عقیدت کا یقین دلایا، جس سے خوشی ہوئی، امید ہے کہ آپ اپنے حالات سے آگاہ کرتے رہیں گے، (۲) کشمیر کا آپ کا ارادہ مبارک ہو، یاد کرتے رہئے گا، (۳) راجور (کشمیر) کا زمیندار حیات سیسہ (؟) جس کی زمینداری آپ کی جاگیر میں ہے، میں اس کی سفارش کرتا ہوں کہ راجور کی زمینداری اسی کے پاس رہنے دیجائے تاکہ وہ اپنے وطن میں اطمینان کے ساتھ رہے، (۴) آپ کا خط پہنچا بہت خوشی ہوئی امید ہے کہ آپ اسی طرح اخلاص و عقیدتمندی کے خطوط ارسال کرتے رہینگے، (۵) حیات سیسہ ہمارے خانہ زادوں

اور پروردوں میں سے ہے، جب تک پرگنہ راجور ہماری جاگیر میں رہا وہ امن کے ساتھ رہا، اور اس سے پہلے عاملوں کی وجہ سے وہ وہاں ترک وطن کرکے ہمارے ہاں آگیا تھا، اب اس کا پھر ارادہ ہے کہ وہ موروثی زمینداری کی غرض سے پھر واپس جائے، ہماری خواہش ہے کہ آپ اس کی رعایت و مدارات میں پوری پوری کوشش کرینگے، (۶) عرصہ سے آپ کا خط نہیں آیا، ہمیں اپنے وکیل دربار سے معلوم ہوا ہے کہ آپ دربار میں آنے والے ہیں، اس محبت کی بنا پر جو مجھ کو آپ سے ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ خیر و عافیت سے مطلع کرتے رہیں گے (۷) آپ کی بیماری کی خبر سنکر بہت متفکر ہوں، عرصہ سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا، ہماری خوشی اسی میں ہے، کہ آپ کی خیر و عافیت اور عقیدتمندی کے حالات معلوم ہوتے رہیں، اس لئے امید ہے کہ حسب دستور قدیم عریضہ نگاری کرتے رہیں گے، (۸) عین انتظار میں جبکہ ہم آپ کی صحت اور تندرستی کی خبر سننے کے منتظر تھے، آپ کا خط پہنچا، خیریت معلوم کرکے پورا اطمینان ہوا، امید ہے کہ بہت جلد کامل شفا ہو جائے گی، ہم نے بیجاپور پہنچکر قلعہ بیدر کا محاصرہ کرکے اس کو بہت جلد فتح کر لیا، اور زنگیوں کے لشکر کو شکست دے کر بیدر[1] کے قلعہ کو جس کی نظیر دکن میں نہیں ہے، ایک دن کے اندر اندر فتح کر لیا، گویا ایک مہینہ کے اندر اندر ولایت بیجاپور پر قبضہ ہو گیا، یہ سب خدا کی مہربانی ہے، آپ اپنے حالات سے اطلاع دیجئے،

اسی طرح ایک خط بنام علی مردان خان انشاء رما دھو رام میں ہے اس کے مضمون سے

[1] اس خط میں تاریخ ۲۳ جمادی الآخر لکھی ہے، مگر سنہ نہیں لکھا، قرائن سے سنہ ۱۰۶۶ھ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی زمانہ سے قلعہ داروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، میں نے حال ہی میں بیدر کی سیر کی ہے اسکے قلعہ کے دروازوں کی آہنی چادر پر اورنگزیب کے کتبے لگے ہوئے ہیں جو بعد کے ہیں مثلاً شہرزہ دروازہ پر چہارشنبہ ۷ رجب سنہ ۲۹ جلوس اورنگ زیب سنہ ۱۰۹۴ھ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت اورنگزیب نے لکھا تھا جب وہ دکن کی مہم میں مصروف تھا،

مہم کہ بے تو نقش نزیم زہے محنت ؟ گر تو کنی ورنہ چیست عذر گناہ

"آپ کی صحت کی خوشی مجھے اس حد تک ہے کہ خیال اور قیاس کے پیمانے میں نہیں سما سکتی؛ اس لئے اس کی تشریح چھوڑ کر مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں، خدا کی مدد سے بدبخت باغی کی تباہی اور اخراج کے متعلق اس سے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے، چونکہ قلعہ دیوگڈہ ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے، نقب اور بے خطر راستے سے وہاں نہیں جا سکتے، اس لئے تمام معاملہ حضور پر نور کی خدمت میں گذار کر منتظر جواب ہوں، بالفعل رسد کے راستے کو بند کر کے حملہ کیا ہے قلعہ سے کے اوپر مورچے قائم کر کے لڑنا ہے، قلعہ میں بڑا ذخیرہ ہے، اس محاصرہ کا توڑنا استقلال چاہتا ہے، اگر ایک بڑی فوج توپخانے سمیت مدد کے لئے بھیجدی جائے تو دشمن کی فال انجام کار مستحقان ملک پر پوری ہوگی، میں نے جو تدبیر سوچی ہے اگر اسے بارگاہ عالی میں عرض کر دیا جائے، تو سلطنت کے لئے بہت مفید ہوگا، زیادہ خیر باد"

تصاویر متعلقہ علی مردان خاں | علی مردان خاںؒ کی مغل قلم کی دو بہترین تصویرین ڈاکٹر کمارا سوامی نے عرصہ ہوا شائع کی تھیں، یہ تصویریں بابو سیتا رام بنارسی کے مجموعہ کی ہیں[1] ان میں سے ایک تصویر کے متعلق ڈاکٹر کمار نے لکھا ہے کہ وہ بادی النظر میں کسی بڑی تصویر کا نصف حصہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف امراء اور نوبت خانہ کی تصویر ہے، اور دوسری طرف بالکل خالی ہے، اس کے جواب میں، دوسری طرف بھی کوئی تصویر ضرور ہوگی، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ تصویر مکمل ہے، اور اس وقت کی ہے جب علی مردان خان نے پہلی مرتبہ

[1] THE YEAR BOOK OF ORIENTAL ART 1924-25

دو مغل تصاویر علی مردان خاں، از ڈاکٹر کمارا سوامی، ص ۶۶۔

بطور تعارف شاہجہان کا لاہور کے دروازہ پر استقبال کیا تھا اور اس کے ہمراہ قلیچ خان اور دوسرے امرا تھے، تصویر کے نیچے تمام گھوڑے دکھائے گئے ہیں، ان میں سے دو دو کی تصویروں پر کچھ لکھا ہوا ہے، ایک پر قلیچ خان معلوم ہوتا ہے، جسے کمارا سوامی نے گنج علی خان پڑھا ہے، کیونکہ علی مردان خان کے والد گنج علی خان کا اس تصویر میں کوئی امکان نہیں ہو سکتا، اور وہ اس سے بہت پہلے فوت ہو چکا تھا، کمارا سوامی کا خیال ہے کہ یہ قندھار کی فتح کی تصویر ہے جب گنج علی خان کو کرمان سے تبدیل کر کے یہاں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، اس صورت میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ممتاز شخصیت جو اس تصویر میں دکھائی گئی ہے وہ علی مردان خان کی ہے جو کسی قدر خم ہو کر ایران کے طریقہ پر سلام بجا لا رہا ہے، اور اس کے چوغہ پر صاف علی مردان خان لکھا ہے، پھر والد کی موجودگی میں لڑکے کا امتیازی درجہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے،

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہان نے علی مردان خان کو جو گھوڑے اور ہاتھی عنایت کئے تھے وہ بھی اس تصویر میں دکھائے گئے ہیں، اور موتیوں سے مرصع دستار اور دوسرے ساز و سامان بھی اس میں نمایاں ہیں، جو علی مردان خاں ہی کو مرحمت ہوئے تھے، اس لئے میرے نزدیک یہ شاہجہاں سے پہلی ملاقات کی تصویر ہے، اس میں قلیچ خان اور سعید خاں کی تصویریں بھی ہیں، جن کی کوشش سے علی مردان خان ہندوستان آیا تھا،

دوسری تصویر میں کہیں علی مرداں خاں کا نام نہیں ہے، اسے علی مردان خاں کی تصویر قرار دینا کمارسوامی کا محض قیاس ہے، یہ تصویر دراصل ہاتھیوں کی جنگ کی ہے، جو میرے خیال میں علی مردان خان کے ہندوستان آنے سے پہلے قلعہ آگرہ کے باہر میدان

میں ہوئی تھی اور شاہجہان اور امرائے دربار نے دیوان خاص میں بیٹھکر تماشہ دیکھا تھا، جیسا کہ اس تصویر سے ظاہر ہوتا ہے، اس تصویر پر مصور کا نام "خانہ زاد بلاقی" ملتا ہے[1]، اور ہاتھیوں کے نام بھی لکھے ہیں، جو صاف نہیں ہیں،

اسی طرح ایک تصویر کلکتہ میوزیم میں ہے جس کی اصل میں نے دیکھی ہے، اس کا عکس مسٹر براون نے اپنی کتاب میں شائع کیا ہے[2]، اس میں علی مردان خان ایک گھوڑے پر سوار ہے، اور گھوڑے کے پیٹ پر سوار کا نام علی مردان خان لکھا ہے، اور دو ملازم جن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اس کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں، اس کے علاوہ چند سوار بھی دکھائے گئے ہیں، میرے خیال میں یہ اس موقع کی تصویر ہے جب علی مردان خان کو تسخیر قندھار کے لئے اورنگزیب کے ہمراہ بھیجا گیا تھا، میدان کے نشیب و فراز سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، اس کی ایک اور تصویر دہلی میوزیم میں اور ایک حیدرآباد میوزیم میں ہے،

ان تصویروں کے علاوہ اور بہت ایسی تصویریں ملتی ہیں جنکے متعلق شبہہ ہوتا ہے کہ علی مردان خاں کی تصاویر ہونگی، مگر جب تک کوئی واضح ثبوت نہ ہو کچھ نہیں کہا جا سکتا،

علی مردان خاں کا علمی ذوق

علی مردان خاں ایک اعلیٰ علمی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے قدرۃً وہ علمی مذاق رکھتا تھا چنانچہ وہ اکثر مراسلت میں شعر و سخن سے کام لیتا تھا، اس کے علمی ذوق کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب وہ ہندوستان میں شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے شاہ نامہ فردوسی کا ایک مصور نسخہ جو ایرانی قلم کا بہترین

[1] بعض تصاویر میں اس مصور کے دستخط یوں بھی ملتے ہیں "خانہ زاد بلاقی بن ہوشنگ"۔

[2] ...DIAN PAINTING UNDER THE MUGHOLS 1924-P.136 PLATE XLV(1)

نمونہ تھا، اور فخر الدین علی موسیٰ شیرازی مذاہب کا تیار کردہ اور مرشد شیرازی (۹۴۲ھ) کے قلم کا لکھا ہوا تھا، شاہجہان کی نذر کیا، میں نے پٹنہ میں خدا بخش کے کتبخانہ میں یہ نسخہ دیکھا ہے[1]، قلعہ دہلی کے عجائب خانہ میں علی مردان خان کی ایک تلوار اب تک موجود ہے، جس پر ذیل کی تحریر ہے[2]:-

ایں شمشیر خاص از حضور عباس خلد اللہ ملکہ وسلطانہ علی مردان خاں سرفرازی یافت

اس کے دوسرے رخ پر یہ تحریر ہے،

"یا علی بعلی، وزیر الملک نواب سعادت علی خاں بہادر سنہ ۱۲۱۴ھ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ تلوار نواب سعادت علی خاں کے قبضہ میں آئی، جنھوں نے اس پر اپنا نام کندہ کروالیا، ان باقیماندہ نشانوں سے ہم ان لوگوں کے ذوق و رجحانِ طبیعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں،

علی مردان خان کی وفات اور اسکا مقبرہ

سنہ ۱۰۶۶ھ مطابق سنہ ۳۱ جلوس شاہجہانی میں علی مردان خان کو اسہال کا مرض ہوگیا، شاہجہان نے اسے کشمیر جانے کی اجازت دی، لیکن ابھی وہ ماچھی واڑہ کی منزل میں پہنچا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا، اسکا لڑکا ابراہیم لاش کو کشتی کے ذریعہ لاہور لایا اور اس کی والدہ کے مقبرے میں ماں کے پہلو میں دفن کیا گیا، یہ مقبرہ علی مردان خان نے اپنی ماں کے لئے ایرانی طرز پر تعمیر کرایا تھا، آجتک یہ مقبرہ اسی کے نام سے مشہور ہے، اس مقبرہ کی عمارت کے متعلق تاریخ لاہور سے بعض حالات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ یہ عمارت کیا تھی اور کیا رہ گئی ہے، یہ واضح رہے کہ تاریخ لاہور کا مصنف خود بھی اپنے زمانہ میں لاہور کا مہندس تھا،

[1] کتبخانہ بانکی پور خدا بخش نمبر ۳۵، [2] فہرست عجائب خانہ دہلی ص۵۸، تلوار کے متعلق اطلاع مجھے ذاتی نہیں بلکہ ایک دوسرے شخص کے ذریعہ سے ملی ہے، جو ناقص معلوم ہوتی ہے، لیکن تلوار موجود ہے۔

"مکان کے ذکر سے پہلے صاحب مقبرہ کا ذکر مقدم سمجھ کر لکھا جاتا ہے، علی مردان خان عمارات کے کام میں ایسا استاد تھا کہ کروروں روپیے اس کے ہاتھ سے تعمیرات پر صرف ہوئے، علی مردان خاں کا باغ معروف بہ نولکھ باغ لاہور میں اسکی یادگار تھا جس کی اب صرف ڈیوڑھی باقی ہے، باقی عمارت سب برباد ہو چکی ہے[1]، دہلی کی نہر جو مین شہر میں بہتی ہے اسی شخص نے نکالی تھی[2]، نہر ہنسلی جو نور سے اسی نے کھدوائی تھی، اور اسکے ذریعہ باغ شالامار کو سیراب کیا، بڑی نہر فیروز پور جو دہلی سے ہانسی حصار کو جاتی ہے، اس نے دوبارہ درست کرائی، اس طرح اس نے ہزاروں عمارتیں بنوائیں، جنکا حد وحساب نہیں، آخر سنہ ۱۰۶۶ھ میں فوت ہوا، اور اس جگہ مدفون ہوا جہاں اب مقبرہ بنا ہوا ہے"،

اس کی وفات کا قطعۂ تاریخ جو کتاب گنجینۂ سروری المعروف بہ گنج تاج میں مندرج ہے، یہ ہے،

امیرے صاحب دولت مشیرے صاحب حشمت ثنا گوے علی مرد حق آگاہ مردان خان
سفر چوں کرد زیں دنیاے دوں سوے بقا (؟) ندا آمد بتاریخش کہ حق آگاہ مردان خان
۱۰۶۶ھ

اسلامی حکومت کے زمانہ میں اس کے ساتھ کی خشتی عمارت مسجد وزیر خاں کے سوا دوسری نہ تھی، مگر شہر کی بربادی کے وقت یہ عالیشان مکان خاک میں مل گیا، اس کی چار دیواری کی اینٹیں لاہور کے کشمیری خشت فروش اکھاڑ کر لے گئے، باقی ماندہ عمارتیں سردار گلاب سنگھ بھوڑ نڈیہ نے گرا کر اس کی اینٹیں چھاؤنی میں

[1] اب یہ بھی باقی نہیں ہے، محض نولکھا بازار کے نام سے ایک بازار موجود ہے، اور بس،
[2] اب دہلی کی یہ نہر بھی باقی نہیں ہے،

لگا دیں، اس چھاؤنی کا نام ونشان بھی اب باقی نہیں رہا، مکان مقبرہ سے شمال کی سمت میں ہے، اس کی عمارت نہایت عمدہ مقطع کاشی کاری کی بنی ہوئی ہے، سب عمارت خشتی ہے، محرابی چھتیں ہیں، اوپر کی منزل پر جانے کے لئے دو زینے ہیں، سکھوں کے زمانہ میں گوردت سنگھ کرنیل افسر پلٹن مصران والی نے اس ڈیوڑھی کو اپنا مسکن بنایا تھا، نواب علی مردان خاں کا اصل مقبرہ تین منزلہ ہے، ایک منزل تو زمین کے اندر بطور تہ خانہ کے ہے، یہ تہ خانہ نہایت وسیع ہے، اس میں تین قبریں ہیں، اس کی چھت قالبوتی گنبد نما ہے، اس تہ خانہ سے اوپر کی منزل میں ایک پختہ عالیشان مثمن چبوترہ پر گنبد کی عمارت ہے، اس کی شکل ہشت پہل ہے، اس کے آٹھ اطراف ہیں اور آٹھ عالیشان محرابیں ہیں[1]، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس عالیشان مقبرہ میں میگزین تھا جو گلاب سنگھ کی ماتحت فوج سے متعلق تھا، اس مقبرہ کی پہلی منزل میں سنگ سرخ اور سنگ ابری کی بڑی بڑی سلیں نصب تھیں جنھیں سکھوں نے سنگدلی سے اکھاڑ دیا تھا، پہلی منزل کے زینے سے جب آدمی اوپر جائے تو گنبد کی چاروں سمت پھر سکتا ہے، ہر ایک پہلو میں دریچہ دار عالیشان شہ نشینیں بنی ہوئی ہیں، اور بیچ میں عالیشان گنبد ہے، یہاں جب کہ آخری چھت پر آدمی جاتا ہے تو ہر ایک گوشہ پر چھوٹے ہشت درے خوشنما گنبد سے نظر آتے ہیں، اور درمیان میں بڑا عالیشان گنبد ہے،

[1] لاہور میں یہ مقبرہ غالباً سنہ ۱۰۵۱ھ اور سنہ ۱۰۵۲ھ کے درمیان تعمیر ہوا، مگر اس کے بعد لاہور ہی میں آصف خان کا مقبرہ جہانگیر کے مقبرہ سے ملحق سنہ ۱۰۵۴ھ میں تعمیر ہوا، جو ہشت پہلو ہے ان دونوں مقبروں کی سطح کی پیمائش اور طرز ایک ہے،

اس مقبرہ کی عظمت وشان کا کچھ حد وحساب نہیں، اتنا بلند مقبرہ لاہور میں اور کوئی نہیں ہے، اب سرکار انگریزی نے براہ قدر دانی مؤلف کتاب کی معرفت اس مقبرہ کی مرمت کرائی ہے، تاکہ کسی بھونچال کے صدمہ سے گر نہ جائے، سیڑھیاں بھی بنائی گئی ہیں، تہ خانہ بھی صاف کرا دیا گیا ہے"[1]

میں نے بارہا اس مقبرہ کو دیکھا اور جب دیکھا ایک نرالی شان پائی، اسکی کاشی کاری ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، علی مردان خاں کی تمام عمارتوں کا خاص اہم پہلو یہی تھا، ابتک یہ مقبرہ محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت میں ہے، اس نے اس کی حفاظت کے لئے نگران مقرر کر دیئے ہیں، یہ ریلوے ورکشاپ کے حدود میں ہے، لیکن اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے لئے الگ راستہ بنا دیا گیا ہے،

اس مقبرہ کی عظمت وشان دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ علی مردان نے اسے اپنی والدہ کے لئے بنوایا تھا، لیکن خود بھی اسی میں مدفون ہوا، یہ لاہور میں شالامار کی سڑک پر اس سے ایک میل کے فاصلہ پر گلابی باغ کے بالمقابل ہے، میں نے کنھیا لال کا بیان اس لئے نقل کیا ہے، کہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ سکھ گردی نے لاہور کی کتنی اعلیٰ عمارتوں کو نقصان پہنچایا

شاہجہان اور اورنگزیب دونوں نے علی مردان خان کی اولاد پر لطف وکرم کی نظر رکھی، انھیں اعلیٰ مناصب عطا کئے اور یہ خاندان نمایاں اور ممتاز رہا،

خاتمہ مصنف مآثر الامرا لکھتا ہے کہ علی مردان خان نے اگرچہ خاندان صفویہ کے ملازم کی حیثیت سے نمک حرامی کی اور اس سے بے وفائی کرکے اپنے آپ کو مطعون کیا، لیکن ہندوستان میں وہ اپنے حسن اخلاق، قابلیت، عقیدت کیشی، بہادری اور عقلمندی کی بدولت امرائے

[1] تاریخ لاہور ص ۲۵۰، [2] مآثر الامرا ج ۲ ص ۶۹۴ - ۶۹۵،

شاہجہانی سے بہت بلند مرتبہ کو پہنچا، اور بادشاہ کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا، شاہجہان خطوط میں اس کو یار وفادار لکھتا تھا،

ہندوستان میں علی مردان خان کے کارنامے شاہجہانی عہد کی تاریخ کا نہایت روشن پہلو ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے،

علی مردان خان کا خاندان اور اسکے حالات میں ایک نادر قلمی نسخہ مآثر الامرا میں امیر الامرا علی مردان خان کے چار لڑکوں کا ذکر ملتا ہے ابراہیم یہ صوبہ دار بنگالہ تھا، عبداللہ بیگ عہد عالمگیری میں گنج علیخان کے خطاب سے ممتاز ہوا، اسحاق بیگ واسمٰعیل بیگ ایک ہزار و پانصدی منصب و ہشتصد سوار سے سرفراز ہوئے، یہ دونوں بادشاہ کے ہمراہ سموگڈہ کی جنگ میں شریک تھے،

مجھے اپنے مکرم ومحترم فاضل بزرگ پروفیسر حافظ محمود شیرانی کے کتبخانہ سے ایک قلمی نسخہ ملا ہے جس میں علی مردان خاں کے کچھ حالات اور اس کے بعد کے خاندان کا پورا شجرہ موجود ہے، یہ رسالہ تاریخی حیثیت سے بہت اہم ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان ابتک ہندوستان میں کہاں کہاں آباد ہے، لیکن یہ کتاب بہت ناقص ہے، اور اس میں بہت سی غلطیاں ہیں، اس لئے اس کی تصحیح کے بعد کسی موقع پر اس کو شائع کیا جائے گا،

ارمغانِ احباب

یعنی

دلی اور اس کے اطراف

آج سے پینتالیس برس پہلے

از مولینا حکیم سید عبدالحئی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء

(۶)

روز دوشنبہ پانزدہم شعبان، سہارنپور میں مولوی نظام الدین نے یہ کہدیا تھا، کہ حضرت میاں صاحب نگینہ میں حافظ عبدالکریم صاحب کے مکان پر فروکش ہونگے، مگر کل رات ہوجانے کی وجہ سے میں نے حافظ صاحب کا مکان تلاش نہیں کیا، آج صبح اُٹھکر میں پوچھتا ہوا حافظ صاحب کے مکان پر آیا، آتے ہی معلوم ہوا کہ میاں صاحب پرسوں یہاں سے بگلہ تشریف لے گئے ہیں، اور بگلہ یہاں سے اٹھارہ کوس ہے، اور غالباً اب بگلہ میں بھی نہ ہونگے، دارانگر گنج گئے ہونگے، کیونکہ فرماتے تھے، کہ بگلہ میں دو روز سے زیادہ ہم نہ ٹھہریں گے، اور دارانگر یہاں سے بیس کوس ہے، راستہ بھی صاف ہے، بجنور تک سڑک جاتی ہے، وہاں سے پانچ کوس دارانگر ہے، یکے برابر چلے جاتے ہیں، مجھ کو اب نہایت تشویش ہے، کہ اب کیا کرنا چاہئے، سفر کی طوالت کی یہ حالت اور خرچ کی تنگی کی وہ کیفیت، رمضان المبارک کو صرف پندرہ روز باقی ہیں، سفر کے جلد ختم کرنے کا مصمم عزم ہے، لیکن بغیر ملاقات کئے ہوئے جانا اور بھی قابلِ افسوس ہے، کہ اس قدر صعوبت بھی برداشت کی، اور ملاقات حاصل

نہ ہوئی، بہرحال اون سے اب مل ہی لینا ضرور ہے، حافظ عبدالکریم صاحب گو مصر اس بات پر ہیں، کہ میں نگینہ کچھ دن قیام کروں، لیکن یہ ان کی حسن ارادت کی بات ہے، قطعی رائے ان کی یہ ہے، کہ دو چار دن کے بعد دارانگر جانا چاہئے، امید ہے کہ میاں صاحب وہاں ضرور مل جائیں گے، میرا دل سفر سے ایسا برداشتہ ہے کہ میں چاہتا ہوں آج ہی دارانگر چلا جاؤں، مگر حافظ صاحب نے آدمی کو بھیجکر اسباب اٹھوا منگوایا، اور بطریق تنزل مصر اس پر ہیں کہ آج کسی طرح نہ جاؤ، خاطر میزبان عزیز ہے، میں نے بھی ارادہ فسخ کیا، خدا کو منظور ہے تو کل علی الصباح شکرم پر بجنور اور بجنور سے یکہ پر دارانگر جاؤں گا، پھر جو کچھ اللہ کو منظور ہو،

سید صاحب کے فیوض حافظ عبدالکریم صاحب بہت نیک سن رسیدہ آدمی ہیں، پچیس برس ہوئی انھوں نے میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، کہتے ہیں کہ ایکدن میاں صاحب فرماتے تھے، کہ حضرت امیر المومنین میں ایسا تصرف تھا کہ ایک صحبت میں اندرونی کیفیت متغیر ہوجاتی تھی، چنانچہ جس وقت میں نے بیعت کی، اسی وقت مجھ پر اپنا وجود منکشف ہوگیا، میں نے اپنے وجود کو دیکھ لیا، اور دو چار دن کے بعد جس وقت دل میں نظر ڈالتا تھا، سید صاحب ہی سید صاحب نظر آتے تھے، حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے میاں صاحب سے جب سے بیعت کی ہے، کبھی شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کا اتفاق نہیں ہوا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی کام دھوکہ سے بدعت کا کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہوا ہو، کہ بدعت ہے، اور ندامت اٹھانی پڑی ہو، پہلے میں مجلس مولد میں احیاناً شریک ہوجاتا تھا، مگر قیام نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ میں اپنے مکان کے بالاخانہ پر سو رہا تھا، اس زمانہ میں آٹھ پنجابی آئے ہوئے تھے، وہ مولود پڑھتے تھے، اور سب مل کر نعتیہ غزلیں اور قصائد پڑھتے تھے، دو بجے شب کو میری آنکھ کھل گئی، اس وقت وہ لوگ محلہ میں مولود میں خسرو کی غزل پڑھ رہے تھے، مجھ کو اس وقت اس کے سننے سے نہایت رقت ہوئی، اور دل میں میں نے خیال کیا کہ جس چیز سے قلب کی ایسی حالت پیدا ہو، اسکے کرنے میں بظاہر بہتری معلوم

ہوتی ہے، اسی فکر میں آنکھ لگ گئی، دیکھتا کیا ہوں کہ میں مدینہ طیبہ پہونچا ہوں، اور روضہ منورہ کے گرد لوگوں کا ہجوم اندر جانے کی فکر میں سب کھڑے ہیں، میں روضۂ منورہ کے دروازہ پر حاضر ہو کر دستک دی، ایک شخص نے کواڑے کھولے، مگر نیم باز، اور مجھ کو اندر لے لیا، ان سب لوگوں نے گھسنے کا ارادہ کیا، مگر اس بزرگ نے دروازہ جلد بند کر لیا، میں نے ان سے کہا کہ ان کو بھی اندر لے لو، کہا ان کے آنے کا حکم نہیں ہے، یہ لوگ مبتدع ہیں، حضرت کی مرضی مولد میں نہیں ہے، اس کے بعد مجھ سے کہا، اس دریچہ میں جا کر ہاتھ بڑھاؤ، مصافحہ ہو جائے گا، مجھ پر اس وقت عجیب حالت طاری تھی، میں روتا جاتا تھا، اور آگے بڑھتا جاتا تھا، آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھایا تو مجھ کو مصافحہ نصیب ہوا، میں اس وقت سلام پڑھتا جاتا تھا، اور آگے، کہا حضرت کچھ ارشاد فرمائیے، فرمایا توحید پر قائم رہو اور اتباعِ سنت جہاں تک ہو سکے کرتے رہو، میں نے کہا حضرت کچھ لوگ باہر کھڑے ہیں، اندر آنے کے مشتاق ہیں، فرمایا کہ ہم ان سے ناخوش ہیں، یہ لوگ مبتدع ہیں، مجلس مولد کرتے ہیں، گو اظہار عشق کرتے ہیں، مگر ہماری مرضی مجلس مولد کی نہیں ہے، اس وقت میرے دل میں آیا کہ جب ایسے شخص سے کوئی ملتا ہے، تو کچھ نذر کرتا ہے، جیب میں جو ہاتھ ڈالا تو ایک چونی ملی، میں نے چاہا کہ اس کو وہیں رکھدوں، لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ یہ صورت چڑھاوے کی ہے، اس واسطے میں آتے وقت اون بزرگ سے جنھوں نے دروازہ کھولا تھا، کہا کہ یہ آپ قبول کریں، انھوں نے انکار کیا، اور کہا مجھے اسکی حاجت نہیں، مین نے کہا مجھ سے لے لیجئے، پھر آپ چاہیں کسی کو دیدیں، میرے اصرار سے انھوں نے لے لیا، اور مین باہر آیا، اس کے بعد حالت مجھ پر ایسی طاری ہوئی، کہ آنکھ کھل گئی، حافظ صاحب اس فقیر سے قسمیہ بیان کرتے تھے، کہ رات کو چونی میرے جیب میں تھی، صبح کو جو دیکھا، تو نہیں تھی، میں نے اپنے گھر میں دریافت کیا، انھوں نے قسم کھائی، کہ میں نے نہیں نکالی،

اس کے بعد کچھ سید صاحب کے ظہور وحیات کا ذکر ہوا، اس پر انھوں نے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا، وہ کہتے تھے، کہ ہمیں نگینہ میں ایک خانصاحب رہتے تھے، بڑے آزاد مزاج مگر نہایت سچے اور اپنی کمائی کا کھانا کھاتے تھے، ساٹھ ستر برس کی ان کی عمر تھی، ایک دن میں مسجد میں تھا، وہ بھی تھے، اکیلے مجھ سے کہتے تھے، کہ تم سچ سچ بتاؤ، کس سلسلہ میں ہو، میں نے کہا کہ میں سید احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ کے طریقہ میں مرید ہوں، یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے، مجھ سے نہایت محبت کیسا تھ معانقہ کیا، اور کہا کہ تم کو دیکھ کر پہلے ہی میری طبیعت راغب ہوتی تھی، میں نے کہا حضرت آپ کس کے مرید ہیں، کہنے لگے، حضرت سید صاحب کے، میں نے کہا، کہ آپ کی عمر ایسی نہیں ہے جس پر ایسا گمان ہو، کہنے لگے، کہ میری بیعت کا عجیب قصہ ہے، میں ٹونک گیا ہوا تھا، ایک دن طبیعت گھبرائی، شہر کے باہر نکل گیا، مغرب کے وقت بناس میں، میں نماز کے واسطے وضو کرنے لگا، اتنے میں پانچ آدمی اور آئے، اور انھوں نے بھی وضو کیا، وضو کر کے نماز پڑھنے لگے، میں بھی شریک ہو گیا، اس نماز میں مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی، جس کو میں ہرگز بیان ہی نہیں کر سکتا، میں نہیں جانتا کہ اس محویت میں میں نے رکوع اور سجدہ کس طرح پر ادا کیا، جب نماز ہو چکی، تو میں نے پیش امام سے آگے بڑھکر پوچھا، کہ حضرت آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، فرمایا کہ رائے بریلی کے، میں نے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف، کہنے لگے کہ تم کو اس سے کچھ مطلب ہے، میں نے کہا حضرت فرمانا ہے تو سہی فرمایا سید احمد، میں نے کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں، فرمایا ٹونک میں محمد یعقوب کے ہاتھ پر بیعت کرو،

مولینا محمد یعقوب صاحب

میں وہان سے چلا آیا، اور پوچھتا ہوا میاں محمد یعقوب[1] صاحب کی خدمت میں گیا، اس وقت تک میں سید صاحب کے حالات نہیں جانتا تھا، نہ میاں محمد یعقوب صاحب سے مجھ کو نیاز

[1] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسہ،

حاصل تھا مجھکو اُس زمانہ تک بیعت کا بھی کبھی خیال نہیں ہوتا تھا، نماز تو البتہ پڑھ لیتا تھا، جب میں نے میاں صاحب کے پاس آکر بیعت کی استدعا کی تو انھوں نے فرمایا کہ تم یہاں تک کیونکر آئے، اور مجھ سے کیونکر واقف ہوئے، اس وقت یہ قصہ مفصل بیان کیا، اس وقت وہ سن کر نہایت بے تاب ہوگئے، اور فرمایا کہ وہ حضرت امیر المومنین سید احمد ہیں اور ان کے حالات شرح و بسط سے بیان کئے اور کہا تم نے بڑی غلطی کی، جو ان سے بیعت نہ کی، اب اگر ایسا اتفاق ہو تو ان سے فوراً بیعت کر لینا اگر تمھاری قسمت نے یاوری نہ کی تو خیر تمھیں اختیار ہے، یہیں اگر مرید ہو جانا، میں ان کے حالات سنکر بہت پچھتایا، اور پھر اسی جگہ اسی وقت آنے لگا، حُسن اتفاق سے اگلے دن کی طرح پھر مجھ کو ملاقات نصیب ہوگئی، اس وقت میں ان کے قدموں پر گر پڑا، میں نے کہا کہ اب مجھ کو بیعت کر ہی لیجئے آپ مسکرائے، اور مجھ کو مرید کیا، اور فرمایا کہ ایک ضرورت سے ہم یہاں آئے تھے، وہ ہوگئی اب دوسری جگہ جاتے ہیں،

حافظ صاحب اس قصہ کو بیان کرکے کہنے لگے، کہ ناقل اس قصہ کے بہت سچے آدمی تھے، کبھی ان کی عادت جھوٹ بولنے کی نہ تھی، لیکن کہنے لگے، کہ ایک صاحب مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نامی یہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر رہتے تھے، اسّی برس کی عمر تھی، بڑے بزرگ تھے، جمعہ کے دن پیادہ پا نماز کے واسطے شہر آتے تھے، حضرت سید صاحب کے مرید تھے، اور غزا میں آخر تک شریک رہے تھے، وہ مجھ سے کہتے تھے، کہ سید صاحب شہید ہوئے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ آپ نے شہید ہوتے دیکھا ہے، انھوں نے کہا نہیں، لیکن اختتام جنگ کے دوسرے دن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ حضرت امیر المومنین بھی شہید ہوگئے، اور پسپار میں دفن کئے گئے، اتنا مجھ کو خوب معلوم ہے، کہ سید صاحب کی ران مبارک میں گولی لگی تھی، لوگ آپ کو اٹھا کر ایک ٹیکرے پر لائے، اور پتھر پر بٹھا دیا،

حضرت مولینا سید احمد اور مولینا اسمٰعیل شہید کی شہادت کے متعلق بعض بیانات

اس کے بعد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولینا اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جائیے، آپ کے جہاد لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگان خدا کو بہت فائدہ پہنچیگا مولوی صاحب نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ یہ سر تصدق کرنے کو لایا ہوں، آپ مجھ کو اجازت ہی دیجئے سید صاحب خاموش ہوگئے، اور مولینا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھے میں لگی انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے، سید صاحب نے پھر منع فرمایا، مگر مولانا نے پھر الحاح وزاری سے اجازت مانگی، اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین مرتبہ سید صاحب نے روکا، آخر کو مولینا اسمٰعیل صاحب کی پیشانی پر ایک زخم کاری لگا، اور آپ شہید ہوئے، اس وقت میدان کارزار ایسا گرم تھا کہ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا تھا، سب لوگ منتشر ہو چلے، اس ٹیکرے پر سے ہمارا جب گذر ہوا، تو سید صاحب نہیں تھے، دوسرے دن معلوم ہوا کہ آپ شہید ہوئے، اور پسپار میں دفن کئے گئے، کسی لڑکے نے آپ کی نعش مبارک پہچانی تھی،

حافظ صاحب کہتے ہیں کہ سہوارہ میں مولوی محمد حسین صاحب ایک بزرگ سید صاحب کے مریدوں میں تھے پچھلے دنوں میں ان کا انتقال ہوا ہے، وہ بھی غزا میں شریک تھے، ان سے یہیں ایک صاحب سے اس بارہ میں گفتگو ہوئی، انھوں نے کہا کہ میرے ہاتھ پر قرآن شریف رکھدو، سید صاحب شہید نہیں ہوئے غائب ہوگئے ہیں، اور پھر تشریف لائیں گے،

آج سارے دن ہم نگینہ میں رہے، اور حافظ صاحب سے اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں، ان سے میں نے پوچھا کہ میاں صاحب کے سلوک کا کیا طریقہ ہے، کہا کہ صرف ذکر لسانی کے طور پر بارہ تسبیح کی تلقین فرماتے ہیں، لیکن اس کے استعمال اور مداومت سے خود بخود انوار و برکات نمایان ہوتے، توجہ ڈالنے کی ان کی عادت نہیں ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ مجھ کو نہیں آتا، اتباع سنت

اور ہضم نفس پر دار و مدار طریقہ کا ہے، جب جاہ سے گھبراتے ہیں، شیخت کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، بے تکلفی سے جو دعوت کرتا ہے، اسکو قبول فرماتے ہیں،

ایک مرتبہ دعوت تھی، آپ کے ساتھ کچھ مریدین بھی تھے، ان میں سے ایک نے ایک ٹکڑا روٹی کا کتے کے سامنے ڈال دیا، حضرت بہت ناخوش ہوئے، اور فرمایا کہ اوس نے تمھاری دعوت کی تھی، یہ تم نے کس کی اجازت سے ٹکڑا اس کے سامنے ڈالدیا، تم دعوت کرنے والے سے معافی مانگو، اسی طور مریدوں کی بھیڑ بھاڑ میں آگے آگے چلنے سے منع کرتے ہیں، اندھیری رات میں چپکے اٹھے اور مسجد چلے گئے، لالٹین ساتھ ہونے اور مریدوں کے پیچھے چلنے سے بہت گھبراتے ہیں، نگینہ میں ان کے مرید بہت ہیں، اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کے مرید بہت ہیں، ان بزرگوں نے اس روسیاہ کے آنے کی جب جب خبر سنی تو ملنے کو آئے اور قیام کے بارہ میں اصرار کرتے رہے، مگر عجلت کی وجہ سے قیام میرا نہیں ہو سکتا، کل ارادہ انشاء اللہ تعالیٰ روانگی کا ہے،

قاضی محمد اسمٰعیل صاحب

قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کا اس طرف بہت چرچا ہے، وہ مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی مصنف انوار محمدی کے مرید تھے، اور انھوں نے سات برس کی عمر میں حضرت امیر المومنین سے بیعت کی تھی، بعد نشو و نما پانے کے پھر حضرت میانجی نور محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ذکر و شغل کی تعلیم پائی، اس وقت تک سہارنپور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں ہر فرد بشر کو سید صاحب کا دم بھرتے پایا، جو ہے، ان کی محبت میں چور ہے، اور سب بالاتفاق کہتے ہیں، کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انہی سے ملی ہے برائے نام ہم مسلمان تھے، جتنے مشائخ ہیں، وہ سب اسی سلسلہ کو مقدم جانتے ہیں، میں نے نی عمری سید صاحب کا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا، اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں، ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں، ہر مسلمان کم از کم نماز و تلاوت کا

ضرور شائق ہے، میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں، اور اخیار کا کیا پوچھنا ہے، ان کی تو نظیر اس طرف نہیں ملتی، کسی رنگ میں ہیں، مگر خدا کی لو لگی ہوئی ہے بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں، مجلس وعظ معمور رہتی ہے، ابتدا سے انتہا تک نہایت شوق و رغبت کے ساتھ سنتے ہیں، ہماری طرف کے مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں، کہ سو میں ایک مجلس وعظ میں بیٹھا ہے، اور دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ اب اٹھوں تب اٹھوں، اگر موقع پایا کھسک گئے، اور اگر واعظ کی مروت سے بیٹھے رہے، تو دل میں دعائیں کر رہے ہیں کہ وعظ جلد ختم ہو، اکثر جھوٹا تکلف خمیر میں سما گیا ہے، بہر حال اللہ اپنے فضل سے ان کی ہدایت کرے اور توفیق نیک بخشے، حافظ صاحب نے فقیر سے بعض اعمال خاندانی کی اجازت حاصل کی، "القول الجمیل" و "خیر المسالک" کی، اور بھی اکثر لوگ مستفید ہوئے، ہر چند کہ یہ روسیاہ افادہ کے قابل نہیں ہے

شب کو نہایت آرام سے رہا،

روز سہ شنبہ شانزدہم شعبان صبح کو اٹھکر جلد جلد حافظ صاحب نے سوئیاں بھنوائیں، اور چائے کا سامان کیا، اوس سے فارغ ہو کر وہ اور بہت سے مخلصین شکرم تک آئے، مگر افسوس ہے کہ سواریاں جا چکی تھیں، اور ۸ بجے کی گاڑی پر میں جا نہ سکا، لیکن یہ معلوم ہوا کہ ایک شکرم بارہ بجے بھی چھوٹتی ہے، اسکے انتظار میں وہیں میں ٹھہر گیا، کیونکہ فی الجملہ یہاں سے شہر دور ہے، شہر واپس جا کر پھر آنا تکان سے خالی نہ تھا، حافظ صاحب کو میں نے اس حیلہ سے رخصت کیا، کہ آپ شہر جائیے اگر کوئی خاص دارانگر گنج تک ٹھہر جائے، تو بھیجدیجئے، حافظ صاحب گئے، ایک شخص غلام مولیٰ نامی میرے پاس رہ گئے، یہ عطر پھولیل وغیرہ کے دوکاندار ہیں، بیچارہ بارہ بجے تک میرے پاس بیٹھے رہے، میں نے کتنا کہا کہ آپ جا کر دوکان کھولئے، مگر حسن عقیدت کی وجہ سے نہ گئے، اور گئے تو ایک چھوٹے کنستر میں پھولیل اور ایک شیشی میں عطر لا کر پیش کیا، میں نے ہر چند انکار کیا مگر نہ مانے

میں سمجھتا تھا کہ اس سفر میں یہ سلامت نہیں رہ سکتی، ان کا بھی نقصان ہے، اور میرے کام نہ آئیگا، مگر انھون نے ایک بھی نہ سنی، مجبور ہو کر مجھے لینا پڑا، بارہ بجے جب شکرم روانہ ہوئی، تو وہ رخصت ہوئے، بجنور تک شکرم کے چھ آنے پڑے،

تین بجے بجنور پہونچے، نگینہ سے بجنور پندرہ کوس ہی، وہان سے یکہ بارہ آنہ پر دارانگر تک گیا، چلتے وقت حافظ صاحب نے نہایت اصرار کیا تھا کہ آپ میرے مکان پر ٹھہرئے گا، ایک خط اپنے بھائی اور والد کے نام لکھدیا تھا، ان کے والد خواجہ عبدالرحیم ابھی تک بقید حیات ہیں، بڑے بزرگ ہیں شاہ احسان علی صاحب کے مرید ہیں، اور شاہ صاحب مولینا عبدالحیؒ صاحب[1] کے خلیفہ تھے،

دارانگر

مغرب کے وقت دارانگر پہونچا، میرا قاعدہ ہے کہ اجنبی جگہ میں ہمیشہ سرائے میں ٹھہرتا ہون اس مرتبہ شامت جو آئی، تو مین نے خیال کیا، کہ حافظ صاحب نے بہت اصرار کیا ہے، اور ان کے والد ماجد بہت بزرگ آدمی ہیں، انہی کے یہاں ٹھہر جاؤں اور نیز میں نے دارانگر کی جو حالت دیکھی، تو مجھکو گمان ہوا کہ اس ویران کدہ میں سرائے کیا ہوگی، اور نیز اتفاق سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب یہاں کھڑے ہوئے ہیں میں نے اکہ کو وہاں روک لیا، وہ خدا جانے کسی فکر و خیال میں تھے، کہنے لگے کہ مجھ سے آپ کا کیا مطلب ہی، میں نے کہا کہ میں میان صاحب سے ملنے آیا ہون، کہنے لگے پھر میں کیا کرون، وہ یہاں ہی نہیں، جب آویں مل لینا، میں نے کہا یہ خط آپ کے صاحبزادے نے دیا ہے، اسکو تو لے لیجئے، کہنے لگے میں ضعیف البصر ہوں خط لیکر کیا کرونگا، میں نے کہا پڑھوا کر سن لیجئے، کہنے لگے ان باتون سے کیا حاصل، تم اپنا مطلب کہو، میرے یہان ٹھہرنے کی جگہ کہاں ہے، مجھ کو اس پریشان تقریر سے اتنی ذلت و خفت ہوئی، جو میں بیان نہین کر سکتا، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، دو چار گنوار اکھٹے

[1] خلیفہ مولانا سید احمد بریلویؒ۔

ہو گئے تھے، ایک کی زبان سے نکل گیا، یہان سرائے بھی ہے، میں نے اس کو غنیمت کبری سمجھا، اور فوراً اکہ سے اتر کر سرائے میں جا داخل ہوا، پھر خواجہ صاحب کی طرف توجہ بھی نہیں کی، سرائے کی حالت ناگفتہ بہ، ایسی ویران ایسی وحشت ناک جس کا پایان نہیں، چند جھونپڑیون کا نام سرائے رکھدیا گیا ہے، مگر یہ سچ ہے کہ اگر مصیبت خوشی سے برداشت کر لیجائے، تو وہ مصیبت نہیں رہتی، اور ناخوشی اگر ظاہر کیجائے تو وہ اس سے ٹل نہیں جاتی، میں نے خوشی سے خیر مقدم کیا، اور اکیلا تاریکی میں ماندگی کی وجہ سے پڑ رہا، وہ حافظ صاحب کا خط جیب میں تھا، دل مین آتا تھا کہ اب یہ خط ان کو نہ دون، نہ اپنے نام و نسب کا اظہار کرون، نہ انکے معذرت مانگنے سے ان کے مکان پر جاؤن مگر مجبور ہوں اپنے اس کمبخت رقیق دل سے،

عشا کے قریب خواجہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے سرائے میں آئے، اور خواجہ صاحب کی طرف سے معذرت کرنے لگے، کہ ان کے ہوش و حواس کبرسنی کی وجہ سے بجا نہیں رہے، اور ابھی بیماری سے اٹھے ہیں، طبیعت قابو میں نہیں ہے، آپ معاف کیجئے، میں نے کہا کہ درحقیقت انکی خطا نہیں ہے، یہ واقعی قصور میرا ہے، خط آپکے نام تھا، میں ان کو کیوں دیتا تھا، میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ میرا قصور ہے، کہ میں بے وقت ان کے مکان پر کیوں گیا تھا، بہرحال میں نے کہا کہ یہ خط آپ لے لیجئے، اور مجھ کو ازراہ عنایت یہیں رہنے دیجئے، مجھ کو یہیں آرام ہے، اور ایک عرض یہ بھی ہے کہ اس خط کے مضمون کا اظہار نہ فرمائیے گا، وہ اس تاریکی میں خط کیا دیکھتے، لیکر چلے گئے، تھوڑی دیر میں میں عشا کی نماز کو مسجد گیا، خواجہ صاحب بھی آگئے، میرا دل کانپ اٹھا جب اس واجب التعظیم پیر مرد نے روندھی آواز میں کہا، مولوی صاحب میری گستاخی معاف کیجئے میں نے فوراً اٹھکر مصافحہ کیا، اور نماز کے بعد ان کے ساتھ انکے گھر گیا، وہ کھانا اور چائے لائے میں نے قبول کیا، اور لطف یہ کہ سوا ان دو چار قاشق سوئیوں کے میں نے اب تک کھانا نہ کھایا تھا

اور کھانا کھانا بھی چاہتا تو اس ویران کدہ میں کیا مل سکتا تھا، کھانا کھا کر پھر میں سرائے واپس آیا، اور اس تاریکی میں تنہا رات بسر کی، نہیں تنہا کیوں، اختلاج خفقان مفارقہ احباب تاریکی رفیق و مونس رہے، نعوذ باللہ من ذلک بڑا رفیق خدا ہے، اللہ معنا حیث ما کنا،

روز چہارشنبہ ہفدہم شعبان — کل تو مجھ کو اپنی تنہائی و پریشانی کی وجہ سے کچھ اس بات کا خیال نہیں ہوا، آج مجھ کو بڑا صدمہ اس بات کا ہے، کہ جس سے ملنے آیا تھا، وہ یہاں بھی نہیں ہیں، سہارنپور سے نگینہ آیا، اور نگینہ سے بجنور، بجنور سے دارانگر اور سو، اتفاق یہ ہے کہ وہ نجگہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، جو یہاں سے آٹھ کوس ہے، سہارنپور سے پانچ روپیہ لیکر آیا تھا، تین خرچ ہو چکے ہیں، دو باقی ہیں، وہ صرف اس قدر ہیں کہ میں بدقت پھر سہارنپور پہونچ جاؤں، اب ارادہ یہی ہے کہ آج کا دن یہاں قیام کروں، شام تک اگر آ گئے تو فبہا ورنہ جیسا آیا تھا ویسا ہی سہارنپور لوٹ جاؤں، اگر خرچ ہوتا تو خیر آنے کی لاج ہوتی، کہ نجگہ تک چلا جاتا، مگر اب مجبوری ہے، اگر وہ نہ آئے تو واپسی کے وقت جیسا کچھ صدمہ ہوگا وہ ظاہر ہے،

دوپہر کو خواجہ صاحب سرائے آئے میں دریا کنارہ چلا گیا تھا واپس گئے، کئی مرتبہ اپنے بیٹے کو بھیجا، میں جو گیا، تو پھر کھانا لاکر حاضر کیا، اور میں نے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر قبول کیا، ورنہ اس ویران کدہ میں سوا بھوکے رہنے کے اور کیا ہو سکتا ہے، یہاں کے لوگوں کی جسقدر ضروریات ہیں، وہ گنج میں جاکر پوری کرتے ہیں، جو یہاں سے کسی قدر قریب ہے، پھر خواجہ صاحب نے مکرر سہ کرر عفو تقصیر چاہی، اور مجھ کو نہایت دانشمندانہ نصیحتیں کیں، اور اپنے تجربہ کی باتیں بتائیں، کچھ انبالہ کے مقدمہ کا ذکر کرکے زمانہ کے نشیب و فراز سمجھائے، اس کا میں بہت شکر گذار ہوں، کھانا کھا کر میاں صاحب کا حال دریافت کرنے میں گنج چلا گیا، ان کے مریدوں نے جب سنا تو بڑی آؤ بھگت کی، سب بچارے دیہاتی اور کسان ہیں، وہ اس پر مصر ہوئے کہ آپ یہاں اٹھ آئیے، میں نے کہا شام تک رہنے دو،

اسکے بعد تمھیں اختیار ہے، لیکن اتنی مہربانی کرنا کہ جس وقت میاں صاحب آجائیں، اسی وقت اطلاع کرنا، آب و دانہ کی کشش دیکھئے، کہ دن بھر ہم دارانگر میں رہے، شام کا وقت ہے، ہم مغرب کی نماز پڑھکر آئے، معلوم ہوا کہ گنج کے لوگ تم کو لینے آئے ہیں، ہر چند کہ خواجہ صاحب کے صاحبزادہ نے اس وقت کی بھی دعوت کی تھی، مگر رات کی تنہائی سے میں گنج کے جانے پر راضی ہو گیا، تاہم قطع حجت کے واسطے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم خواجہ صاحب کے صاحبزادہ سے اجازت لے آؤ تو میں چلوں، وہ جب پوچھ آئے تو میں ان کے ساتھ گنج آیا، شب کو میاں نظام الدین صاحب جو مجھ کو سہارنپور میں ملے تھے، ان کے بھائی علاء الدین نے اپنے یہاں مہمان رکھا، شب بہت آرام سے بسر ہوئی،

روز پنجشنبہ ہیجدہم شعبان — صبح کی نماز میں عبداللہ جھو نج نے مجھ سے کہا کہ میرا تانگہ نکمر پور تک جاتا ہے، وہاں سے نجگہ تین کوس ہے، آپ کا جی چاہے تو چلے جائیے، میں نے بھی مناسب سمجھا اور نکمر پور تک اس تانگہ پر آیا، وہاں سے تین کوس نجگہ پیادہ پا دس بجے تک پہونچ گیا، نجگہ رئیس مقام ہے یہاں کے رئیس شیخ جلال الدین ہیں، انکی کئی کوٹھیاں اور محل سرا بہت اچھی بنی ہوئی ہیں،

میاں محمد حسین

ان کے یہاں میاں محمد حسین[1] صاحب مہمان تھے، میں جس وقت پہونچا تو وہ لیٹے ہوئے تھے، تحیہ مسنونہ کے بعد میں نے ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا، جس نے بلا واسطہ ہمارے حضرت امیر المومنین سیدنا روح اللہ روحہ کے ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا، تعارف کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ یہاں کیونکر آئے، میں نے سب قصہ بیان کیا، بہت خوش ہوئے، کہنے لگے، اچھا ہوا میں نے بھی آپ کو دیکھ لیا، میں نے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہے، کہا ایک سو دس برس کی ہو چکی ہے یہ گیارہوان سال ہے، میں نے کہا حضرت سید صاحب سے کہاں نیاز حاصل کیا تھا، فرمایا نگرہ میں میرے بھائی مولوی علاء الدین صاحب

[1] میاں محمد حسین صاحب مرحوم نواح سہارنپور کے باشندہ اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

کے پاس تشریف لائے تھے، میں نے کہا، کے دن رہے تھے، فرمایا مجھے یاد نہیں، کے دن رہے تھے،
خاص غریب خانہ پر فروکش تھے، میں نے کہا، کہ آپ کتنے دن ہمراہ رہے، کہا بہت دنوں جنگ میں
شریک تھا، بعد اختتام جنگ کے واپس آیا، سلطان[ل] محمد خان نے جب دغا کی تھی، میں وہیں تھا، لوگوں
نے حضرت امیر المومنین کو بہت سمجھایا تھا، کہ سلطان محمد خان کو پشاور کا حاکم نہ کیجئے، یہ افغان ہیں دغا کرینگے
مگر سید صاحب نے اسی کو حاکم کردیا، اس نے آخر دغا کی،

میں نے کہا کہ حضرت سید صاحب کے ظہور وحیات کے بارہ میں آپ کو کیا تحقیق ہے، فرمایا
میرے خیال میں حضرت رحلت فرما چکے ہیں ورنہ اب تک ٹھہرتے نہیں، لیکن وہ شہید نہیں ہوئے
اگر شہید ہوتے تو ہم ضرور دیکھتے، ہم کو معلوم ہوتا، اور یہ ہم نے اپنے کانوں سے حضرت کو فرماتے
ہوئے سنا ہے، کہ سب لوگ کہیں گے احمد انتقال کر گیا، لیکن احمد انشاء اللہ تعالیٰ پھر نکلے گا، اور
کفار سے اس ملک کو پاک صاف کریگا، اسی وجہ سے کوئی سو آدمی پہاڑ پر منتظر ہیں، میں نے
کہا کہ سید صاحب کے بیعت لینے کا کیا دستور تھا، فرمایا کہ خطبہ پڑھتے تھے، اسکے بعد توبہ کراتے تھے،
اور چاروں خاندانوں کا نام لیتے تھے، میں نے کہا کہ تلقین ذکر کا کیا دستور تھا، کہا کہ مجھ کو کبر سنی کی
وجہ سے اب کچھ یاد نہیں رہا، میں نے کہا کہ حضرت میں بہت دور سے اس غرض سے حاضر ہوا
ہوں کہ جو کچھ آپ نے ہمارے حضرت سے حاصل کیا ہو، وہ مجھ کو عنایت فرمائیے، فرمایا، کہ میں نے
کچھ حاصل نہیں کیا، اور مجھے کچھ نہیں آتا، میں نے کہا کہ آپ حضرت کے خلیفہ ہیں، کہنے لگے، کہ مجھ کو
خلافت نہیں دی، خلیفہ مولینا عبدالحئی صاحب مرحوم تھے، میں نے کہا کہ آپ سلسلہ میں لوگوں کو
داخل کرتے ہیں، فرمایا کہ صرف مجھ کو اسی قدر اجازت ہے، کہ میں مرید کرلوں اور خدا کا نام سکھا دوں،
میں نے اپنے مانی الضمیر کو کئی بار عرض کیا، مگر ہر بار مجھ کو ناکامی ہوئی، ظاہری خاطرداری بہت

[ل] سلطان محمد خاں حاکم پشاور جس نے پہلے حضرت سید صاحب کے ہاتھوں بیعت کی، پھر عین موقع پر سکھوں سے مل گیا،

کی گھر میں کہلا بھیجا کہ ہمارے پیر کے صاحبزادے آئے ہیں، کھانا جلد آئے، افسوس ہے، کہ اب کبر سنی کی وجہ سے بہت
ہی مغلوب النسیان ہو گئے ہیں، دم بھر میں بات بھول جاتے ہیں، نقل وحرکت سے بھی معذور ہیں،
چارپائی پر تیمم کے ساتھ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے ہیں، مگر سماعت وبینائی میں کچھ فرق نہیں ہے،
بہت سچے اور مخلص آدمی ہیں، اپنے پیر کا دم بھرتے ہیں، کہنے لگے کہ میں نے پچاس ہزار آدمی
ایک جگہ دیکھے، مگر اس شان کا آدمی نہیں دیکھا، جیسے حضرت تھے، اور کہنے لگے کہ دہلی میں
مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے فرمادیا تھا، کہ جس کو جو کچھ حاصل کرنا ہو وہ ان سے
حاصل کرے، میرے پاس جو نعمت تھی، وہ انھوں نے لے لی، مولینا محمد اسمٰعیل صاحب نے جب
سنا تو وہ حاضر ہوئے، اور شکار بند اس وقت سے جو تھاما ہے، تو مرتے مرتے نہیں چھوڑا، راستہ میں
حضرت فرماتے، مولانا خدا نے سواری دی ہے، سوار ہو لو بس جاکر سوار ہوجاتے، بیس قدم چل
کر پھر اوتر پڑتے، اور شکار بند آکر پکڑ لیتے، پھر حضرت فرماتے، مولینا منزل تک سوار چلو، ہاتھ باندھ کر
عرض کرتے حضرت اسمٰعیل کو اتنی بھی مفارقت گوارا نہیں، میاں صاحب کہنے لگے کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب
نبی تھے بے وحی کے، ایک شخص نے کہا حضرت آپ کی عمر اور سید صاحب کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر
سید صاحب کی ہے میری کیا عمر، میں ان کا غلام ہوں، اس لفظ کو مکرر کہتے رہے، دن بھر میں انہی
کی خدمت میں رہا، شب کو انہی کے قریب سویا، دو بجے شب کو میری آنکھ کھلی دیکھا تو تہجد پڑھ رہے تھے
روز جمعہ نوزدہم شعبان، صبح سے واپسی کی فکر تھی، میاں محمد حسین صاحب بھی گنج آنے کو
تھے، کھانا کھاکر تانگہ پر سوار ہوئے، میں نے اسباب تانگہ پر رکھدیا، اور خیال کیا کہ اگر میں بھی سوار ہونگا
تو ان کو تکلیف ہوگی تانگہ چھوٹا ہے، اور اسباب بہت ہے اسلئے کچھ دور تک اسکے ساتھ
ساتھ پیادہ پا چلا، اس کے بعد میں نے خیال کیا، کہ تانگہ بہت سست رفتار ہے، اس وجہ
سے آگے بڑھ گیا، اور عصر کے بعد گنج بفضلہ تعالیٰ پہونچ گیا، پیر میں چھالے پڑ گئے، آٹھ کوس

کتنے ہی ہلکے ہوں، پھر بھی آٹھ کوس ہیں، سواری کے واسطے اسی وقت لوگوں سے کہدیا ہے، اگر خدا کو منظور ہے، تو کل انشاء اللہ تعالیٰ بسہولت جاؤں گا،

روز شنبہ بستم شعبان رات ہی سے لوگ مصر تھے، کہ کل نہ جاؤ، ہر شخص چاہتا تھا، کہ وہ دعوت کرے، یہ سیدھے سادے لوگ دعوت کو فرض عین سے کم نہیں سمجھتے، میں نے رات ہی سے سواری کا انتظام کیا، مگر ان لوگوں کی سازش سے سویرے سواری نہ آئی، اور خواہ مخواہ مجھے رہنا پڑا، صبح کو مولوی نظام الدین کے بڑے بھائی غلام محی الدین صاحب کے یہاں دعوت ہوئی، آج تمام دن تعویذ لکھتے گذرا، شام کو بعد مغرب کے میں نے وعظ کہا اوس کے بعد عشا پڑھ کر کھانا کھایا، اس وقت بھی انہی بزرگ کے یہاں دعوت تھی، ایک شخص گنگوہ کے جوان صالح قاضی زادہ یہاں پولس میں ملازم ہیں نہایت نیک بخت اونھوں نے نہایت اخلاص کے ساتھ استدعا کی کہ اس وقت ان کی دعوت قبول کروں مجھ کو ایسے بادیانت کی دعوت قبول کرنے میں کیا عذر تھا، لیکن مجبوری صبح کو دوسرے صاحب کہہ چکے تھے، تاہم میں نے کہا کہ آپ اُن سے اجازت لیں، اگر ان کو منظور ہو تو بہتر ہے لیکن وہ صاحب راضی نہیں ہوئے، آخر اس بات پر رائے قرار پائی، کہ صبح کو وہ ناشتہ دیں،

میاں محمد حسین کی زبانی سید صاحب کے بعض حالات

رات کو میاں صاحب کی طبیعت درست تھی، سید صاحب کا ذکر کرنے لگے، کہا کہ میری بیعت کا یوں سامان ہوا کہ میری چچی نے خواب میں دیکھا کہ بحر ذخار میں کشتی چلی جارہی ہے، اور آتے آتے ان کے مکان کے پاس ٹھہر گئی، اس میں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے، ایک ان میں سے اترے، اور دوسرے کشتی کو لیکر واپس گئے، صبح کو اپنے بیٹے مولوی علاء الدین صاحب سے انھوں نے یہ خواب بیان کیا، مولوی صاحب نے کہا اسکی تعبیر یہ ہے، کہ ایک شخص ظاہر ہوگا، جو سردار ہوگا، اور وہ یہاں بھی آئے گا، چند ہی روز

میں سید صاحب کا شہرہ ہوا، اور وہ دہلی سے اترے، مولوی علاء الدین صاحب نے اپنی والدہ سے کہا لو اب تعبیر ظاہر ہی ہوتی ہے، وہ سردار آتے ہیں، ان سے یہ کہکر خود پیشقدمی کے طور پر آگے آگے گئے، راستہ میں جا کر ملے، اور حضرت کو لیکر نگہرہ آئے، کچھ زیادہ آدمی اس وقت ساتھ نہیں تھے، سو سوا سو کے قریب ہونگے، سید صاحب میرے بالاخانہ پر ٹھہرے اور شاید آٹھ دن رہے، وہاں سے پھر بڑھانہ تشریف لے گئے، اب تک اس مکان میں برکت ہے، ایک جن میرے پاس آیا کرتا ہے، اس کا نام ہے محمد یوسف، اسی بالاخانہ پر دراز کے راستہ گھس آیا تھا، کہنے لگا آپ کا غلام ہوں، میں نے کہا تم چلے جاؤ، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا آپ ڈرئے نہیں، میں تو آپ کا غلام ہوں، میں نے کہا کہ میں غلام نہیں رکھتا، تم جاؤ، یہ سب حضرت کی برکت ہے جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے ہیں، وہاں وہاں برکت کے آثار پائے جاتے ہیں، ایک جگہ حضرت تشریف لے گئے، اس قصبہ میں نومسلموں کا محلہ پہلے ملتا تھا، اونھوں نے حضرت کو روک لیا قاضی کے محلہ تک نہ جانے دیا، اب خدا کی قدرت دیکھئے، نومسلموں کا محلہ نہایت سرسبز ہے، اور وہ لوگ بہت خوشحال ہیں، اور قاضیوں کا محلہ ویران پڑا ہوا ہے،

خواجہ شاہ محمد سلیمان

ایک مرتبہ سفر میں حضور تونسہ خواجہ شاہ محمد سلیمان[1] صاحب کے پاس جانے لگے اثنائے راہ میں دوراہہ ملتا تھا، ایک راستہ تونسہ کو جاتا تھا، دوسرا عبد الغفور کو، حضرت سفید ٹانگھن پر سوار تھے، آپنے تونسہ کی طرف ٹانگھن کا منہ پھیرا، اوس نے دوسرے راستہ کو اختیار کیا، پھر آپ نے تونسہ کے راستہ پر لگایا، بیس قدم چل کر پھر دوسرے راستہ پر ہو گیا، آپنے فرمایا مولینا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے کہا، حضور! فرمایا کہ شاہ سلیمان میں کچھ کجی ہے، میرا ٹانگھن اودھر رخ نہیں کرتا، یہ کہکر عبد الغفور کی طرف روانہ ہوئے، شاہ سلیمان صاحب کو اسکی اطلاع ہوئی، تو اسی وقت وہ

[1] خلیفہ مولانا نور محمد مہاروی آپ کے ذریعہ سرحد میں بڑی تبلیغ اسلام ہوئی،

عبد الغفور کی طرف چل کھڑے ہوئے، حضور جیسے ہی ہاتھی سے اوتر کر خیمہ میں گئے تھے، کہ شاہ خواجہ محمد سلیمان صاحب پہونچے، ان کے مریدون نے حضرت کے مریدوں سے اطلاع کی کہ شاہ صاحب سلام کو حاضر ہیں، حضرت نے سنکر فرمایا کہ ہم سلام نہیں قبول کرتے تھوڑی دیر میں پھر شاہ صاحب نے اطلاع کرائی کہ جس وجہ سے سلام نہیں قبول نہیں ہوتا اس سے توبہ کرکے حاضر ہوا ہوں، حضرت خیمہ سے باہر نکل آئے، اور بغلگیر ہو کر اندر گئے، وہ وجہ یہ تھی، کہ شاہ صاحب روشن چوکی سنا کرتے تھے،

حضرت سید صاحب کی ایک کرامت

ایک مرتبہ مولینا خیر الدین[1] صاحب نے آکر حضور سے اطلاع کی، کہ اب رسد نہیں ہے اور خزانہ میں بھی روپیہ نہیں ہے، حضور نے فرمایا، مولانا روپیہ آتا ہوگا، پھر فرمایا کہ میری ماٹھ سے تقسیم کرو مولینا خیر الدین سن کر چپ ہوگئے، کہ ماٹھ میں کتنا ہوگا، جس کی تقسیم کا حکم ہوا ہے، پھر فرمایا مولینا کیا دیر ہے، وہ چپ رہے، پھر آپ خود اٹھے، فرمایا کیل لاؤ، اور چادر ماٹھ کے منہ پر ڈھک دی، اور تقسیم شروع کی، چار دن برابر تقسیم جاری رہی، ایک کیل پکے سوا سیر کا تھا، چوتھے دن ماٹھ میں غلہ باقی تھا، اور قبل تقسیم کے بھی صرف آدھی ماٹھ غلہ تیار تھا، یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے،

ایک مرتبہ جال کے درخت کے نیچے پیپل پر ہم اور الٰہی بخش بڑھئی بکھرہ کا اور مولینا محمد اسمٰعیل صاحب بیٹھے گنگنیاں چبا رہے تھے، اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا حضور نے حکم دیا ہے کہ بالا کوٹ جلد توپ خانہ بھیجا جائے، مولینا محمد اسمٰعیل صاحب مدار المہام تھے یہ سنتے ہی جلد اٹھے، اور اٹھ کر جھٹ کے ایک مٹھی گنگنیان لیکر کھڑے ہونے لگے، جلدی کی وجہ سے گرے، ان کا گھٹنا زمین پر ٹک گیا، ہنسکر کہنے لگے، کھسر کر چاہے مسر کر یار لوگ تو تجھ کو چھوڑیں گے نہیں، اور کھاتے ہوئے آگے چلے، ادھر سے مولوی عبد اللہ صاحب آرہے تھے، ان کے ساتھ پانچ چھ اور آدمی تھے کہا یہ کون جاتا ہے، لوگوں نے کہا مولینا محمد اسمٰعیل ہیں، کہنے لگے کیسے بے ادب ہیں، راستہ میں

[1] مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی سید صاحب کی فوج کے ممتاز مجاہد،

کھاتے ہوئے جاتے ہیں، مولینا نے ہنسکر فرمایا، کہ مولوی صاحب اچھا ہے، گواہی میں بندھے بندھے نہ پھریں گے، جب لوٹ کرائے تو یاد نہیں ہم نے یا الٰہی بخش نے کہا مولینا آپ پر مولوی صاحب نے اعتراض کیا، آپ چپ ہو رہے، فرمایا کہ جاہلوں سے کون بھڑے، ہیں نے کہا حضرت یہ تو مولوی ہیں، فرمایا کہ گدہے پر کتابیں لاد دو، وہ مولوی تھوڑے ہو جاتا ہے،

سید صاحب کی زہر خورانی کا واقعہ

جب پشاور فتح ہوا، تو پہلے تھانہ اور تحصیل قائم کردی گئی، اسکے بعد حضرت کی رائے یہ ہوئی، کہ سلطان محمد خان کو وہان کا حاکم کردیا جائے، جن کی یہان پہلے حکومت تھی، افغان سردارون نے عرض کیا، کہ ان لوگون کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہ لوگ دغا کرینگے، مگر حضرت نے اسی کو پشاور کی حکومت عنایت فرمائی، اس دغاباز نے قبضہ پاکر حضرت کو مدعو کیا، اور جو پیالہ حضرت کے سامنے آیا اس میں زہر ملا دیا، مگر حضرت نے حسب معمول اپنے پیالہ سے ایک ایک قاشق سب کو تقسیم کردیا، اور اس زہر کا اثر نہیں ہوسکا، دوسری بار گنڈیریوں میں زہر ہلاہل ملا کر دیا، تین گنڈیریاں کھائی ہونگی، کہ حالت متغیر ہوگئی، اس وقت افغانوں نے میان سے تلواریں نکال لیں، حضرت کے ساتھ اس وقت تین سو آدمی تھے، وہ سب سرفروشی کرنے لگے، ایک فیلبان کے دل میں خدا نے ڈال دیا، اوس نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ آپ کی شکست ہوگئی، مولوی صاحب کو بہت ناگوار ہوا، اس نے پھر دوبارہ کہا، مولوی صاحب آپ کی شکست ہوگئی، سید صاحب کہاں ہیں، ان کو جلدی لے چلئے، مولوی صاحب یہ سن کر بہت برہم ہوے، اس نے کہا آپ صاحبزادے ہیں، سید صاحب کو جلدی لائیے، یہ کہکر اس نے ہاتھی آگے بڑھایا، اور کہا کہ سید صاحب کو اٹھا دو، انھوں نے کہا مجھ سے نہیں اٹھ سکتے، آخر کو ایک چادر بچھائی اس میں حضرت کو بٹھا کر اوپر سے چادر کے گوشے برابر کرکے گرہ دیدی، اور فیلبان نے ہاتھی کو ہولا دیا، اوس نے سونڈ پر اس کو اٹھایا، اور فیلبان نے جھٹ عماری میں بٹھا لیا، اور لیکر ہاتھی کو بھگا یا یہان تک کہ پشاور سے باہر نکل آئے، اب خدا کی قدرت

دیکھئے کہ سلطان محمد خان کا خاندان نیست و نابود ہوگیا ہے، اور اس فیلبان کی اولاد سرسبز برسر عروج ہے، اسکے بعد کہنے لگے کہ ہمارے حضرت کے ہاتھ پر جس نے بیعت کی وہ ولی ہے، اور جوان کی صحبت میں بھی رہا ہے، اس کا درجہ کسی طرح افراد و ابدال سے کم نہیں ہے، حضرت کا ایسا تصرف تھا، کہ جس نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی، اسی وقت فنا فی الوجود کا مرتبہ اس کو حاصل ہوجاتا تھا، اور تھوڑی دیر یا دو چار دن کے بعد استعداد کے موافق فنا فی الشیخ ہوجاتا تھا،

روز یکشنبہ بست و یکم شعبان، آج بھی کل کی طرح سواری منگانے میں لوگوں نے تعویق کی، اُدھر میری طبیعت ایسی برداشتہ ہے، کہ ایک دن کا قیام ایک سال معلوم ہوتا ہے، میں نے ہرچند سمجھایا مگر کچھ خیال میں لوگوں کے نہیں آیا، کہتے ہیں، کہ رمضان المبارک یہیں کرو، وہ قاضی زادہ گنگوہ کے رہنے والے ہیں جنھون نے ناشتہ کی دعوت کی ہے، اتفاق سے ناشتہ لیکر آگئے، اور مجھ کو مضطر دیکھ کر سواری لے آئے، وہاں سے آٹھ بجے میں روانہ ہوا، بہت دور تک لوگ مشایعت میں آئے،

نگینہ

دس بجے میں بجنور پہونچا، اور ۱۱ بجے وہاں سے روانہ ہوکر پانچ بجے نگینہ مین داخل ہوا، جس وقت حافظ صاحب کے مکان پر آیا، دیکھا تو مجمع کثیر تھا، اکثر اہل علم بیٹھے ہیں، مجھ کو دیکھتے ہی کسی نے حافظ صاحب سے کہا کہ وہ واپس آگئے، یہ سن کر حافظ صاحب اور تمام حاضرین سروقد کھڑے ہوگئے، مجھکو نہایت ہی ندامت ہوئی، اس کے بعد حافظ صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ مولانا احمد حسن[1] صاحب امروہی ہین،

مولینا احمد حسن صاحب

مجھ کو اس اتفاقیہ ملاقات پر عجب مسرت ہوئی، اور مولانا احمد حسن صاحب نے بھی نہایت ہی اظہار مسرت کیا، اور اپنی اولوالعزمی کی وجہ سے اس انکسار و تواضع سے ملے، کہ مجھ کو ویسے ہی شرمندگی ہوئی، جیسے دیوبند میں ہوئی تھی، مولوی صاحب نہایت ہی وسیع الاخلاق خندہ پیشانی، خوش رو خوش پوشاک ہیں، چائے جب مولوی صاحب کے سامنے آئی، تو انھون نے میرے سامنے

[1] مولینا احمد حسن صاحب امروہی مولینا قاسم صاحب کے خاص تلامذہ میں تھے اور امروہہ کے مدرسہ میں مدرس اوّل تھے

بڑھائی، میں نے معذرت کی، آخرالامر انکار و اصرار کی یہان تک نوبت پہونچی، کہ مولوی صاحب نے اس بات پر مجبور کر دیا، کہ صرف ایک قاشق اس میں سے میں پی لوں، اس روسیاہ سیہ کار نے پینے کو تو پی لیا لیکن ازبس شرمندگی و ندامت کی وجہ سے سرگرانی ہوگئی، کچھ دیر تک صحبت رہی، اس کے بعد مولوی صاحب رخصت ہوئے، یہ حضرت مدرسہ میں امتحان لینے کی غرض سے تشریف لائے ہیں امتحان ہوچکا ہے کل تشریف لیجائیں گے، اگر خیریت رہی تو کل ارادہ ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان سے ملنے ان کی قیام گاہ پر جاؤں گا، رات کو کھانا حافظ صاحب کے یہاں کھایا،

روز دوشنبہ بست و دویم شعبان صبح کو حوائج ضروری سے جب فارغ ہوا تو مخلصین نے وعظ کی فرمائش کی، میں نے بھی مناسب سمجھا کہ شاید کسی کو عمل کی توفیق ہوجاوے تو اس روسیاہ کے واسطے وسیلہ نجات ہوگا، وعظ سے فارغ ہوکر بازدید کی غرض سے مولینا احمد حسن صاحب کی قیام گاہ پر گیا، مولینا نے اپنے اخلاق عمیمہ و علوِ حوصلہ کی وجہ سے اس روسیاہ کی ایسی توقیر فرمائی جس کے قابل یہ ناقابل نہ تھا، وہاں سے واپس آکر تھوڑی دیر قیام گاہ پر بیٹھا، اکثر ارادتمند ملنے کو آتے رہے،

میاں بنو حجام

ایک بزرگ میاں بنو حجام سید صاحب کے دیکھنے والوں میں بقید حیات ہین، وہ بھی سنکر آئے، ان سے معلوم ہوا، کہ جب حضرت سیدنا روح اللہ روحہ ولایت میں فروکش تھے، اس وقت ان کا ذکر خیر سن کر یہ حضرت وہاں پہونچے، اور مرید ہوئے، ان کے بھائی بھی گئے تھے، وہ وہیں شہید ہوئے، تین برس یہ جہاد میں شریک رہے، اس کے بعد گھر واپس آئے تھوڑی دیر یہ بیٹھے رہے، مجھ کو آئینہ دکھایا اور کہا میں خدمت کو حاضر ہوا ہون، مجھ سے خط بنوا لیجیے مگر افسوس ہے کہ میں کل ہی خط بنوا چکا تھا، اس وجہ سے اس سعادت سے محروم رہا، میں نے کہا کہ آپ مجاہد و غازی ہین میرے واسطے دعا کیجئے، اور میرے تمام اعزہ کے واسطے انھون

نے دعائیں دیں، پھر میں نے کہا کہ خاص خاص وقتوں میں دعائیں کرتے رہئے، اس کا وعدہ کیا اور رخصت ہوئے، اس کے بعد یکے بعد دیگرے لوگ آتے رہے، سارا دن ملنے میں صرف ہوا، لوگوں کا از حد اصرار ہے، کہ میں کچھ دن قیام کروں، مگر طبیعت میری ایسی برداشتہ ہے، کہ باوجود ان کے اصرار اور اظہار محبت کے میں مجبور ہوں، دعوتوں کی یہ صورت ہے، کہ اگر عرصہ تک میں قیام کروں، تب بھی فارغ نہیں ہو سکتا، مجبور ہو کر میں نے کہدیا ہے کہ باخود ہا فیصلہ کر لیا جائے، چنانچہ صبح کو میاں عبد القیوم صاحب نے دعوت کی اور شام کو حافظ محمد ذکریا صاحب نے کی ہے،

نگینہ کی صنعت بعد نماز عصر کے اس شہر کی سیر کو نکلا، نہایت آباد اور پر رونق شہر ہے، یہاں کی دستکاری تمام ہندوستان میں مشہور ہے، آبنوس، صندل، ہاتھی دانت کا کام خوب ہوتا ہے، خصوصاً آبنوس کا کام یہاں سے مخصوص ہے، ایک صندوقچہ دو دو سو تک کا یہاں بنتا ہے، بعض بعض قلمدان، عطردان، سنگاردان، کتاب دان دیکھ کر حیرت ہو گئی، کنگھیاں مختلف قسموں کی یہاں بنتی ہیں، کچھ سامان تحفہ تحائف کے واسطے میں نے خرید کر لیا، اور مغرب کی نماز جامع مسجد میں پڑھکر واپس آیا،

روز سہ شنبہ بست وسیوم شعبان، آج دعوت میں عجیب جھگڑا ہوا، کہ دو شخص مت‌دعی اور مجھکو بارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہونا ہے، اور وہ کسی طرح طے نہیں ہوتا، آخر کو میں نے دونوں جگہ تناول کیا، یہاں کے لوگوں نے جس کشادہ دلی سے میرا خیر مقدم کیا ہے، میں اس کو بیان نہیں کر سکتا، ہر وقت انبوہ رہتا ہے، اور ہر شخص واسطہ دلاتا ہے، کہ کچھ دن قیام کرو، اور اگر رمضان یہیں کرو تو بہت ہی بہتر ہے، اور میری طبیعت نہایت برداشتہ ہے، بہر حال ۱۲ بجے سب کو مصر چھوڑ کر میں اسٹیشن آیا، یہاں تک مشایعت میں حافظ عبد الکریم صاحب میرے میزبان کے بیٹے اور حافظ محمد ذکریا صاحب اور ڈاکٹر مکارم حسین صاحب، اور میاں غلام مولی صاحب آئے میں نے

ٹکٹ کا روپیہ حافظ محمد ذکریا صاحب کو دیا، کہ سہارنپور تک ٹکٹ لے لو، ان بزرگ نے عجیب چالاکی کی، کہ صرف نجیب آباد تک کا ٹکٹ لیا، جب گاڑی پر ہم بیٹھ گئے، تو وہ اور ڈاکٹر صاحب بھی آکر بیٹھ گئے، اور کہا کہ ہم بھی نجیب آباد تک مشایعت میں چلتے ہیں، پھر یہ صحبت خدا جانے کب نصیب ہوگی، راستہ میں مجھ کو معلوم ہوا، کہ میرا ٹکٹ بھی نجیب آباد تک کا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دوستوں میں ہیں مولوی نہال الدین صاحب اکبر آبادی اسسٹنٹ سرجن نجیب آباد ان کے پاس مجھ کو لے جانا منظور ہے، کیونکہ میری روانگی کے بعد ان کو سُن کر میرے نہ ملنے کا نہایت رنج ہوتا، اور ان لوگوں سے شکایت کرتے، مجھ سے اس قدر ان لوگوں نے اصرار کیا، کہ میں مجبور ہو کر راضی ہو گیا، نجیب آباد پہونچکر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، بہت سنجیدہ متواضع وسیع الاخلاق ہیں، شفاخانہ ان کے قیام گاہ پر میں ٹھہرا ہوں، لوگ مصر ہیں کہ بعد نماز عشا کے وعظ بیان کیا جائے میں نے بھی قبول کر لیا ہے، چنانچہ حسب قرار داد بعد نماز عشا کے میں نے بیان کیا، وہاں سے آکر کھانا کھایا، اور شب کو ڈاکٹر صاحب کے یہاں قیام کیا،

نجیب آباد یہ شہر نواب نجیب الدولہ کا آباد کیا ہوا ہے، بہت آباد شہر ہے، مسلمانوں کی آبادی کم ہے، ہندوؤں کی کثرت ہے، اور زیادہ سیٹھ اور مہاجن رہتے ہیں،

وطن کی واپسی روز چہار شنبہ بست وچہارم شعبان، چھ بجے کی گاڑی پر سہارنپور روانہ ہوا، اور بارہ بجے سہارنپور پہونچا، ابتدائے سفر سے مصمم قصد تھا، کہ واپسی کے وقت بہلٹ اور علی گڈھ میں ضرور دو ایک روز قیام کروں گا، مگر نگینہ کے سفر میں اتنا وقت صرف ہوا، اور ماہ مبارک اس قدر قریب ہے کہ مجبوراً نہایت افسوس کے ساتھ وہ ارادہ ملتوی کیا گیا ہے، سہارنپور میں ملا عنایت اللہ صاحب تھانہ دار کے مکان پر چار بجے تک قیام کیا، وہاں سے اسٹیشن آیا، اور غازی آباد تک ٹکٹ لیا بلہ کو ملا، غازی آباد دس بجے رات کو پہونچا، یہاں پہونچکر معلوم ہوا، کہ گاڑی دوسرے دن دس بجے

روانہ ہوگی، اس وجہ سے سرائے میں جاکر رات بھر رہا،

روز پنجشنبہ بست و پنجم شعبان دس بجے غازی آباد سے روانہ ہوا، اور چھ بجے شام کو اٹاوہ پہنچا، چونکہ بھائی صاحب سے پیشتر اقرار کیا تھا، کہ موقع ہوگا، تو اٹاوہ میں ایک دو روز ضرور قیام کرونگا، اس وجہ سے اسٹیشن سے اکہ کرکے ان کی فرودگاہ پر پہونچا، اتفاق سے بھائی جی بھی یہان مل گئے، اور لطف یہ کہ جس گاڑی سے میں اترا ہوں، اسی پر ان کا ارادہ روانگی کا تھا، اتفاق سے رہ گئے تھے، اب کیا عجب ہی کہ پھر مکان تک میرا ان کا ساتھ ہو جائے،

سیرۃ النبی جلد ششم

مشتمل بر تعلیمات اخلاقی

اسمیں پہلے اسلام میں اخلاق کی اہمیت بتائی گئی، اور اسلامی فلسفۂ اخلاق کی تشریح کی گئی ہے، اور پھر اسلامی اخلاقی تعلیمات اور فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہی اور دکھایا گیا ہے، کہ اخلاقی معلم کی حیثیت سے بھی رسول اسلام علیہ السلام کا پایہ کتنا اونچا ہے، قیمت قسم اول صہ قسم دوم للعہ ضخم ۲۱۲ صفحے،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہی جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر اکبر اور حالی کے حالات ضخامت ۴۸۰ ص قیمت للعہ طبع دوم

منیجر

تلخیص و تبصرہ

مسلمان اور آب رسانی

مس سی۔ شو وٹزر (MISS C. SCHWEITZER) نے مندرجۂ بالا عنوان سے حیدرآباد کے اسلامک کلچر ۳۹ء میں ایک مقالہ لکھا تھا، اسکی تلخیص ذیل میں درج ہے؛

مسلمانون نے جب کوئی محل، باغ یا مقبرہ بنوایا تو اس میں پانی کی نمائش ضرور کی، ان کو پانی، خصوصاً آب روان سے بڑی شیفتگی تھی، اور اس فن کا انھون نے بہت ہی گہرا مطالعہ کیا تھا، ایسے مخطوطات اب بھی موجود ہین جن مین پانی کی چرخی، پانی کی کل اور پانی کی گھڑی وغیرہ کی تصویرین، اور پانی کو بلندی پر لیجانے اور پانی کے توازن کو قائم رکھنے کی تفصیل پائی جاتی ہے، اس سلسلہ کا قدیم ترین نسخہ (کتاب الفتنۃ؟) ہے جس کو موسیٰ بن شاکر کے دو لڑکون محمد احمد اور حسن نے ۸۶۰ھ مین لکھا تھا اس مین پانی سے متعلق سو سے زیادہ فنی ترکیبیں بتائی گئی ہین، مثلاً گرمابہ اور سردابہ اور سطح کنوئین بنانے کے طریقہ کا مفصل بیان ہے، اس مین پانی پینے کے بعض ایسے ظروف کا بھی ذکر ہے جن سے ترنم پیدا ہوتا تھا،

ہندوستان مین جب مسلمان آئے تو پانی سے زینت و آرائش کا مظاہرہ انھون نے ہر جگہ کیا، فتوحات کی مشکلات ختم ہونے کے بعد اس ذوق کی تکمیل میں انھون نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، قلعہ محل اور مسجد کی تعمیر کے ساتھ انھون نے باغ بھی بنوائے جن مین

پانی کے بہتر سے بہتر مناظر دکھائے گئے، اس سے تفریح کا بڑا روح پرور سامان پیدا ہوگیا،

مسلمانوں کے باغوں مین آب رواں کا چشمہ بہت ہی ضروری جز تھا، اس سے اسلامی تعمیرات مین نہ صرف ایک خوشگوار پہلو پیدا ہوگیا تھا، بلکہ باغ کا حسن منتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا، بابر کہا کرتا تھا کہ انسان کی سب سے بڑی مسرت باغ ہے، چنانچہ ہندوستان کی گرم اور تیز دھوپ مین وہ دور دراز کی منزلین طے کرکے باغ کی تعمیر کے معائنہ کے لئے آتا تھا، اسکے نزدیک ہندوستان کی ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ یہان مصنوعی نہرین نہ تھین، اس لئے اس نے جابجا پانی کی چرخیان بناکر مصنوعی چشمے جاری کئے اور خوشگوار اور متناسب تفریح گاہین بنوائین،

باغ مین پانی لانے کے مختلف طریقے تھے، کبھی وہ لمبے نالہ کے ذریعہ سے لایا جاتا تھا، جو کئی حصون مین تقسیم ہوتا تھا، اس سے پانی باغ کے ہر گوشہ مین پھیل جاتا تھا، کبھی بہتے ہوے چشمہ مین بند باندھ کر باغ میں پانی رواں کیا جاتا تھا، جو صرف درختون اور پودون کو سینچنے ہی کے کام میں نہیں آتا تھا، بلکہ باغ کی فضا اور اردگرد کے کمرون کو ٹھنڈا کرنے کے مصرف مین بھی لایا جاتا تھا،

مسلمانون کے باغون میں پھول ہوتے یا نہ ہوتے لیکن ان میں عمارت، درخت، سبزہ اور چشمہ کا ہونا ضروری تھا، ان کے بغیر باغ کی تعمیر فنی حیثیت سے مکمل نہیں ہوتی تھی، چشمے پتھر کی نہرون مین بہتے تھے، اور ان کے بیچ مین جابجا سبزہ اگا ہوتا تھا، اس نظام و ترتیب سے ہندوستان کی خشک اور سوکھی زمین مین ایک خوشگوار اور دلفریب نخلستان پیدا ہوگیا تھا،

ہندؤن کی طرح مسلمانون کو محض تالاب کھود دینے سے تسکین نہ ہوتی تھی، بلکہ

ان کے ذوق کی تشنگی فوارون کی ہلکی پھوارون، نہرون کی ترنم ریز موجون اور چشمون کی چمکتی لہرون سے بجھتی تھی، جھرنوں کی تعمیر مین وہ اپنے حسن تخئیل سے کام لیتے تھے، گو مقامی مجبوریوں کی وجہ سے بعض اوقات ان کے ذوق کا مکمل مظاہرہ نہین ہوتا تھا، لیکن عام طور سے باغون میں خوبصورت اور ہلکے پھلکے فوارے ضرور ہوتے تھے، جن کا پانی پتھر کے بنے ہوے نازک اور سبک آفتابہ مین گرتا تھا، یہ فوارے نہرون اور چمن کی روشون کے بیچ مین یا کمرون کے فرش پر ہوا کرتے تھے، جس سے باغ کی زینت و آرایش کا مقصد بھی حاصل ہوجاتا اور پانی بھی استعمال مین رہتا تھا، دونون صورتون مین معمار اور سنگ تراش اپنی جدت تخئیل سے کام لے کر سنگ تراشی، مینا کاری، کاشی کاری، اور نقاشی کا بہترین نمونہ پیش کرتے تھے،

چشمہ کی سطح کثیر الاضلاع بنائی جاتی تھی تاکہ اس میں روشنی کے عکس سے تڑپ پیدا ہو، اس مین چمک ہو، اس کے لئے نہر کی تہ میں ماہی پشت جال ہوتا تھا، جس کے چھوٹے چھوٹے خانون سے پانی ٹکراتا تھا، کبھی چشمہ کی تہ مین سیاہ پتھر کے پرپیچ و پرخم ٹکڑے پیوست کردیئے جاتے تھے، جس سے بظاہر دھوکہ ہوتا تھا کہ پانی میں لہرین پیدا ہورہی ہین، کبھی ان پتھرون پر مچھلی کی شکلین بنادی جاتی تھین، جو پانی کی لہرین زندہ مچھلیون کی طرح تیرتی نظر آتی تھیں، اس قسم کی صنعت دہلی، آگرہ، دکن اور خصوصاً اورنگ آباد مین "بی بی کے مقبرہ" مین دیکھی جاسکتی ہے،

قلعہ دہلی کی نہر رہائشی حصون سے گذرتی ہوئی دیوان خاص مین پہنچتی تھی، اس مین پانی ایک حوض سے آتا تھا جو شاہی حمام کے اوپر واقع تھا، یہان سے پانی ایک خمیدہ نل کے ذریعہ سنگ مرمر کے فرش پر بہتا تھا، نہر کے پانی سے آس پاس کا حصہ بہت ہی

سرور رہتا تھا، اور اس کی متحرک چمک ایک خوشگوار منظر پیش کرتی تھی اور اس کی دھیمی ترنم اور شیرین آواز سے فضا مین ایک روح پرور نغمہ گونجتا رہتا تھا، تفریح کے لئے شاہی خاندان کے افراد رنگین مچھلیون کی گردنون میں زیورات ڈال کر اس شفاف چشمہ مین چھوڑ دیتے تھے جن مین وہ تیرتی اور کھیلتی ہوئی بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھین،

مسلمانون نے پانی سے متعلق بعض عظیم الشان کارنامے بھی انجام دیئے ہین، اجمیر مین ایک جھرنا چشمۂ نور کے نام سے اب تک مشہور ہے، جہانگیر نے اس مقام پر ایک باغ بنوایا تھا، اس باغ سے وہ ایک جھرنا تاراگڈھ کی بلندی پر لے جانا چاہتا تھا، جو اگر مکمل ہو جاتا تو ہر زمانہ کے لئے ایک عجیب وغریب کارنامہ ہوتا، گولکنڈہ کے قلعہ مین مٹی کا ایک نل اب تک موجود ہے، اس کے ذریعہ سے پانی محل، باغ اور حوض مین ۴۰ فیٹ کی بلندی تک پہنچایا جاتا تھا،

پانی کی انجینیرنگ کے کمال کی مثالین بیجاپور مین بکثرت دیکھی جاسکتی ہین، بیجاپور ایک خشک مقام ہے، مگر مسلمانون کے عہد مین یہان دون اور بھیم دریا سے پانی لا کر اس کو ایک خوشگوار جگہ بنا دیا گیا تھا، تور دہ نہر کے ذریعہ سے یہان پانی چار میل کے فاصلہ سے آتا تھا، جو انجینیرنگ کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی،

مسلمان کاریگرون کی ایک عمدہ صنعت بیجاپور کی ست منزل میں بھی پائی جاتی ہے، اس کی ہر منزل کے غسلخانہ اور حوض میں پانی نل کے ذریعہ پہنچایا جاتا تھا، وہان ایک دوسری عمارت مبارک خان کا محل تھا، اس میں بھی پانی کی بہترین نمائش کی گئی تھی، محل مین تین منزلین تھین، اور اس کے ہر حصہ مین نل کی بھول بھلیان تھی، عمارت کی کرسی کے ارد گرد مور کی شکل کے بریکٹ بنے ہوئے تھے، جو اوپر جا کر نل کی صورت

مین تبدیل ہو جاتے تھے، اور نل کے ذریعہ پانی چڑیون کی چونچ اور کلغی میں سے ہو کر گرتا تھا، دوسری منزل کی کارنس پر بھی اسی طرح نہر روان تھی، اور اس کے قبہ پر بھی پانی کا نل تھا، تیسری منزل پر ایک فوارہ تھا، جس وقت تمام فوارے کھول دیئے جاتے ہونگے اور نہر کا پانی بہ کر نیچے کے ایک تالاب مین گرتا ہوگا تو کتنا پر کیف اور دلفریب منظر آنکھون کے سامنے ہوتا ہوگا،

مسلمانون نے حوض کے بیچ مین بھی پر تکلف عمارتین بنوائین، ان عمارتون کے چھوٹے چھوٹے سوراخون اور نلون سے پانی فوارون میں آتا تھا، جہان سے ہیرون کے ریزے کی طرح ہوا میں بلند ہو کر تالاب میں گرتا تھا، بیجاپور کے پاس کمانگی مین شاہی خاندان کے لئے ایک شکارگاہ تھی، یہان جھیل کے بغل مین بہت سے بنگلے تعمیر کرائے گئے تھے، جن مین پانی کی فراہمی کا پورا سامان تھا، موسم گرما مین شاہی خاندان کے افراد یہان تفریح کے لئے آتے تھے، اور شکار کھیلتے تھے، ان عمارتون میں کثرت سے حوض اور فوارے تھے، عمارت کی اندرونی چھت مین پتھر کے مشک گلاب کے پھول بنے ہوئے تھے، جن مین اوپر کی چھت کے حوض سے پانی آتا تھا، ان سے پانی کی پھوارین اس طرح اڑتی تھین جیسے آسمان سے واقعی بارش ہو رہی ہے،

مسلمانون کی عمارتون مین پانی کی بھول بھلیان بھی عجیب وغریب ہوتی تھی، ایک پتلی نہر پتھر کے فرش سے نکالی جاتی تھی، جو ہر سمت سے ہو کر گذرتی تھی، اور علحدہ علحدہ حصون مین تقسیم ہوتی تھی، مگر جس وقت اس مین پانی روان ہوتا تھا تو یہ ایک متحرک معما معلوم ہوتی تھی، پانی کبھی مخالف سمتون مین کبھی متصل نہرون مین، کبھی ادھر ادھر اور کبھی پیچ وخم کھا کر بہتا رہتا تھا،

مسلمان بانی کے دلفریب اور جمالیاتی پہلو سے اچھی طرح واقف تھے، انھوں نے
شالامار کے پرتکلف دربار اور مزین چشمے میں زندگی کا اصلی لطف اٹھایا، مرنے کے بعد
باغ کو اپنی آرامگاہ بنایا، جہاں کی زینت و آرایش سے ان کی روح کو سکون اور اطمینان
حاصل ہے، زمانہ کے انقلاب و تغیر کے باوجود ان کی خوابگاہیں حوادث روزگار سے محفوظ
ہین، اور آج بھی ان کی آرامگاہون کے فوارون سے جس وقت آفتاب کی سنہری کرنون
اور ماہتاب کی سیمیں شعاعوں میں پھوارین بلند ہوتی ہین تو بے ساختہ باغ عدن کے
صناع کے الفاظ زبان پر آتے ہیں کہ "یہ کس قدر بھلے ہین"،

"ص ع"

اعصابی فساد کا علاج

ہم میں سے بعض اشخاص ایسے ہیں جن کو دنیا کی کوئی فکر لاحق نہین ہوتی ہے، وہ
کسی فکر، خوف اور خطرہ سے مطلق نہین گھبراتے، یہ ان کی جسمانی صحت کی دلیل نہین بلکہ
ان کی طبیعت ہی کچھ ایسی مضبوط واقع ہوتی ہے کہ ان کے ذہنی سکون مین انتشار
پیدا ہی نہین ہوتا ہے، لیکن بعض اشخاص ایسے بھی ہین، جو معمولی سی فکر اور خطرہ سے بالکل
منتشر اور پراگندہ خاطر ہو جاتے ہین، یہ ان کی صحت کی کمزوری کی علامت نہیں، بلکہ
اس کا تعلق ان کے اعصاب کے فساد سے ہوتا ہے،

اعصاب کا فساد فطری نہین، بلکہ ماحول کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے، بچون
کا ماحول جتنا زیادہ خوشگوار رہیگا، اتنا ہی زیادہ اعصابی فساد سے محفوظ رہین گے، اسلئے
والدین کو اپنے بچون کی تربیت اور پرورش میں بہت زیادہ احتیاط رکھنے کی ضرورت
ہے، عام طور سے والدین اپنے بچون سے یا تو غیر معتدل محبت کرتے ہین یا غیر معمولی

درشتی سے پیش آتے ہیں، دونون صورتیں بچوں کے لئے مہلک ہیں، بچوں کی نہ حد سے زیادہ
نازبرداری کیجائے، اور نہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ، بلکہ ان کی تربیت ایسی ہونی چاہئے
کہ وہ خود حالات کا اندازہ لگائین، اپنی زندگی کی پیچیدگیوں کو سلجھائیں، اور خودداری اور
عزت نفس کا احساس انین پیدا ہو، ان کی مدح و ستایش کیجائے، لیکن یہ اعتدال سے نہ بڑھنے
پائے، طنز و تشنیع سے ان کو انکی حماقت اور کمتری کا احساس نہ دلایا جائے، بلکہ والدین
کا رویہ ایسا ہو کہ وہ یہ سمجھیں کہ ان کے والدین ان کے حاکم جابر نہین ہیں، بلکہ ان کے مہربان
دوست ہیں، جو ان کے قصور کو نظرانداز تو نہیں کرینگے، لیکن ان کی ہر حرکت پر خفا بھی نہین
ہون گے، اگر والدین شروع سے اس قسم کی احتیاط رکھیں تو وہ اپنے بچون کو اعصابی
فساد سے محفوظ رکھنے مین ضرور کامیاب ہونگے،

یہ تو حفظ ماتقدم کی صورتین ہیں، لیکن سن بلوغ میں بھی اعصابی فساد کا علاج ہو سکتا ہے،
اگر کسی کو بات بات پر غصہ آتا ہو یا معمولی خطرہ سے اس پر غیر معمولی ہیبت طاری ہو جاتی
ہو، یا تھوڑی سی الجھن سے اس کے سر میں درد اور معدہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہو تو یہ کوئی
لاعلاج مرض نہیں، یہ تمام باتین مندرجہ ذیل نفسیاتی تدبیرون سے دور ہو سکتی ہین،

(۱) جن اشخاص میں اعصابی فساد ہو ان کو وہ بلا تامل اس مرض کا اقرار کر لینا چاہئے
اس اعتراف میں کوئی ہرج نہین، کیونکہ ان کی طرح بہت سے اشخاص اس مرض کے شکار
ہوتے ہین،

(۲) وہ اس کا صاف صاف اظہار کرتے رہین کہ وہ غیر معمولی زود رنج، حساس اور
عصبی المزاج ہین، وہ اپنے اندیشہ، خوف اور ڈر کو ظاہر کرنے میں مطلق نہ شرمائیں، مثلاً اگر
وہ ریل کی سواری سے گھبراتے ہون تو سفر کرتے وقت مسافرون سے اپنی گھبراہٹ کو

چھپانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اگر ان میں ان کو کوئی ہمدرد نظر آئے تو اس سے اپنی حالت بیان کر دینا چاہئے کہ "ہم کو ریل کے سفر سے ڈر معلوم ہوتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ یہ ڈر مضحکہ انگیز ہے، لیکن پھر بھی ڈرتے ہیں" مگر اس اعتراف اور اقرار میں ایک احتیاط ضروری ہے، بعض اعصابی مریض ایسے ہوتے ہیں جو ہر وقت صرف اپنے اعصابی فساد کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں، یہ چیز ان کے لئے مفید ہونے کے بجائے اور بھی مہلک ہے،

(۳) بعض اعصابی مریض اپنے مرض کے خلاف جنگ کرنے میں اپنی ساری قوتیں ختم کر دیتے ہیں، جنگ کرنا دانشمندی نہیں، یہ امر واقعہ ہے کہ اس کے خلاف جنگ نہیں کیجا سکتی ہے جنگ کی کشاکش اور دباؤ سے مرض کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس لئے اعصابی فساد سے جنگ کرنے کے بجائے وہ اپنے ذہن کو مرتب، عمل کو منضبط، خیالات کو پر امن، اور اعتماد ذات کو مستحکم بنانے کی کوشش کریں،

(۴) انھیں اپنی ذات کو فراموش کرکے دوسروں کے متعلق زیادہ سونچنا چاہئے، اعصابی فساد کے مریض عموماً اپنے سارے خیالات کا مرکز اپنی ذات کو بناتے ہیں، وہ دنیا اور دنیا کے تمام لوگوں سے غافل ہوکر صرف اپنی ذات اور اپنے مرض کے متعلق سونچتے رہتے ہیں، جو ان کے لئے بہت ہی مہلک ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنی ذات کے بجائے دوسرے لوگوں کی ذات سے دلچسپی لینے کی کوشش کریں، مثلاً جب وہ کسی صحبت میں شریک ہوں، تو وہ کوئی ایسا کام کریں، یا ایسی گفتگو کا سلسلہ چھیڑیں جس سے دوسرے لوگ محظوظ ہوں، یا کسی ایسے آدمی سے دوستی پیدا کرلیں جس کو معاشرت میں لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہو، تاکہ اس کی ذات سے دلچسپی و تعلق پیدا کرکے اپنی ذات کو بھول جائیں،

(۵) ان کو اپنا کام محنت اور ایمانداری سے کرنا چاہئے، اعصابی مریض اپنے کام

کی ذمہ داری، زیادتی اور سختی کا مبالغہ آمیز ذکر کرتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کام سے جان چرانا چاہتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے، جو کام بھی ہو اس کو ہنسی خوشی سے انجام دینا چاہئے، تردد، رنج اور افسوس سے نہ صرف کام ادھورا اور نامکمل رہتا ہے، بلکہ اعصابی فساد بھی بڑھکر خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے،

(۶) ان کو کھیل اور تفریح میں ضرور حصہ لینا چاہئے، خصوصاً وہ ظرافت سے پورا لطف اٹھانے کی کوشش کریں، ذہنی مرض اور تکدر کو دور کرنے کی بہترین صورت ظرافت ہے، اس کے علاوہ اپنی کمزوریوں کے احساس، غلطیوں کے اعتراف، اور عاجزی وانکساری کی مزاولت سے اعصابی فساد خود بخود دور ہو سکتا ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اعصابی فساد مدتوں کا مرض ہوتا ہے، لہذا اس کے ازالہ کیلئے بھی ایک مدت درکار ہوگی، "اگر مندرجہ بالا نفسیاتی ترکیبوں پر صبر، سکون، اور استقلال سے عمل کیا جائے تو اعصابی فساد کی ناگواریاں اور عصبی المزاجی کی تلخیاں ضرور دور ہو جائینگی،" "ص ع"

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے، مولینا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کیلئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں، وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،

ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: ۔۔ ۱۲

"منیجر"

اخبار علمیہ

برقی انسان

واشنگٹن کی ایک بجلی کی کمپنی نے ایک برقی انسان بنایا ہے جس کی شبیہ سنیما کے مشہور اداکار جون بیری مور کی سی ہے، وہ سات فیٹ لمبا، اور ۲۶۰ پونڈ وزنی ہے، اس کے جسم پر المونیم کا لباس ہے، اس کا بایاں گھٹنا جھکا ہوا ہے، اور اس کے پاؤں میں پہیے لگے ہوئے ہیں آدمیوں کی طرح چلتا پھرتا اور کھڑا رہتا ہے، سلام کرتا ہے، انگلیوں کو خم کرکے دس تک گنتا ہے سرخ اور سبز رنگ میں تمیز کر لیتا ہے، بولتا اور گاتا ہے، اور اگر اس کے منہ میں سگریٹ لگا دیا جاتا ہے تو کش لگا کر ناک سے دھواں نکالتا ہے، جب اسے کوئی حکم دیا جاتا ہے، تو اسکی تعمیل کرتا ہے، یہ سارا کرشمہ بجلی کا ہے،

مگر ابھی اس میں بعض نقائص باقی ہیں، جب اس سے کچھ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے، تو وہ الفاظ کو نہیں سمجھتا ہے، لیکن مخارج کی صحت کے ساتھ حروف تہجی کو سن کر متحرک ہو جاتا ہے، اگر الفاظ صحیح طور سے ادا نہیں کئے جاتے، تو یا تو وہ حکم کی تعمیل کرنے ہی سے قاصر رہتا ہے، یا اس کو غلط طریقہ سے کرتا ہے، ایک بار جب پٹسبرہ میں اس کی نمایش کیجا رہی تھی، تو اسکے موجد جے۔ ام۔ بارنٹ نے اسے ہاتھ اٹھانے کے لئے کہا مگر وہ خلاف توقع پیچھے کی طرف چلنے لگا، بارنٹ بہت خفیف ہوا، اور اس کو ٹھہر جانے کا حکم دیا، لیکن وہ پیچھے ہی ہٹتا

گیا، آخر بارنٹ نے بجلی کا تعلق منقطع کر دیا، اور وہ رک گیا، بارنٹ کو بعد میں معلوم ہوا، کہ اس نے حکم دیتے وقت الفاظ صحیح طور سے ادا نہیں کئے تھے،

ممالک متحدہ امریکہ کے گریجویٹ

ممالک متحدہ کے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۵ء تک کے گریجویٹوں کا جائزہ لیا گیا، تو معلوم ہوا کہ ۹۵ فی صدی مستقل یا عارضی طور سے برسر روزگار ہیں، اور دو فیصدی مرد اور ایک فی صدی عورتیں بیکار رہتی ہیں، ہر تین عورت اور ہر چار مرد گریجویٹ میں سے ایک کو حسب منشاء ملازمت ملجاتی ہے، لیکن مردوں میں سے ۱/۲ اور عورتوں میں سے ۱/۵ کو ان کے ذوق کے خلاف نوکریاں ملتی ہیں، یہ نوکریاں ۱/۴ کو تلاش و جستجو، ۱/۵ کو کالج کے دفتر کے ذریعہ، ۱/۴ کو کالج کی زندگی کے تجربات، ۱/۱۰ کو خاندانی اثرات اور دو فی صدی کو دوستانہ تعلقات سے ملتی ہیں، ۱/۸ تجارت یا کوئی آزاد پیشہ اختیار کرتے ہیں، ان میں سے ۱/۲ آٹھویں سال اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خود مالک بن جاتے ہیں، ایک گریجویٹ کو پہلے سال ۱۳۱۴ ڈالر آمدنی ہوتی ہے، لیکن آٹھ سال کے بعد ۲۳۸۳ ڈالر تک پہونچ جاتی ہے، گریجویٹ عورتوں کی اوسط آمدنی پہلے سال ۱۰۹۲، اور آٹھ سال بعد ۱۹۰۶ ڈالر ہوتی ہے، مردوں میں سب سے زیادہ آمدنی (یعنی ۲،۵۰۰ ڈالر سے زیادہ) دندان ساز ڈاکٹروں، معماروں، انشورنس کے ایجنٹوں، اور وکیلوں کو ہوتی ہے، اخبار نویسوں اور مذہبی پیشواؤں کی آمدنی سب سے کم ہے، ۱۱ فی صدی گریجویٹ تعلیمی شعبہ میں جاتے ہیں، جن کی آمدنی آٹھ سال کے بعد ۲۰۰۰ ڈالر تک پہونچ جاتی ہے، عورتوں کو سب سے بڑی آمدنی نرسنگ اور معلمی کے پیشہ سے ہوتی ہے،

مرد گریجویٹ میں سے ۱/۲ اور عورتوں میں سے ۱/۲ متاہل ہوتے ہیں، گریجویٹ ہونے کے آٹھ سال بعد تک ۱/۴ مرد کنوارے اور ۱/۲ عورتیں کنواری رہتی ہیں، ازدواجی زندگی میں داخل

ہوجانے کے بعد ان میں طلاق کے واقعات عام آبادی سے نسبتہً کم ہوتے ہیں، ایک ہزار میں ۱۹ سے زیادہ طلاق کی مثال نہیں ملتی، ۵۰ مرد گریجویٹ اور اس سے زیادہ عورتوں کو کوئی اولاد نہیں ہوتی،

ممالک متحدہ امریکہ کے اسکول

ممالک متحدہ امریکہ میں بچوں کی تعلیم جبری اور لازمی ہے، لیکن سنہ ۳۰ء میں آٹھ لاکھ بچے ایسے تھے، جن کے لئے کوئی اسکول نہ تھا، وہ ایسے نادار علاقوں میں رہتے تھے، کہ وہاں اسکول کا قائم ہونا مشکل تھا، ملک کی اقتصادی کساد بازاری، اور حکومت کی مالی حالت کی خرابی کے باعث اسکول سے محروم رہنے والے بچوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی، لیکن گذشتہ تین برسوں سے حالت کچھ سدھرنے لگی تھی، کہ اس سال ملک کے اسکولوں کی مالی حالت پھر خراب ہوگئی، اوہیو کے بہت سے شہروں میں اسکولوں کا قیام مشکل ہو گیا ہے، جارجیا کے اسکولوں پر پچاس لاکھ ڈالر قرض ہے، اس کے دو سو اسکول جن میں بیس ہزار لڑکے تعلیم پا رہے تھے بند کر دیئے گئے ہیں، لاما میں اسکول سال میں صرف آٹھ مہینے کھلے رہتے ہیں، اور باقی چار مہینوں میں مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں، اس علاقہ میں حبشیوں کے بچوں کے اسکول بالکل بند کر دیئے گئے ہیں، پن سیلوینیا کے ۱/۲ اسکول اساتذہ کی تنخواہ نہیں دے سکتے ہیں، چنانچہ یہاں کے چھ ہزار اساتذہ کو دس مہینے سے تنخواہ نہیں ملی ہے، اسلئے وہ مجبوراً اسکول کے اوقات کے علاوہ دربانی اور کلرکی کے ذریعہ روزی کما رہے ہیں حکومت سے امداد مانگی جاتی ہے، تو اسکی طرف سے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملتا، گذشتہ اپریل میں ۱۲۰ اسکولوں کے اساتذہ نے ہڑتال کے ذریعہ تنخواہوں کا مطالبہ کیا، عام طور سے یہ خیال ہے کہ ممالک متحدہ کے تعلیمی نظام میں وہ جمہوری روایات باقی نہیں رہی ہیں، جو آج سے سو برس پیشتر تھیں،

"ص ع"

ادبیات

غزل

از جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی

گلستاں میں فقط اک عندلیبِ زار ہوتی ہے
چمن کی روح جس کی آہ سے بیدار ہوتی ہے

طبیعت آشنائے لذتِ آزار ہوتی ہے
مری تقدیرِ قلب و روح کیا بیدار ہوتی ہے؟

محبت میں فقط دیوانگی درکار ہوتی ہے
یہاں تمکینِ عقل و ہوش سب بیکار ہوتی ہے

نظر جب انبساطِ عشق سے سرشار ہوتی ہے
تو بڑھ کر فرشِ گل سے وادیِ پرخار ہوتی ہے

مری فریادِ غم میں ہے نہاں وہ شورشِ مستی
کہ جس سے عالمِ جان کی فضا بیدار ہوتی ہے

نظر رکھتے ہوں جو آکر ہجومِ درد میں دیکھیں
ان آنکھوں سے مری کیا ریزشِ انوار ہوتی ہے

مرے اس پردۂ دل میں ہے وہ اک آتشیں نغمہ
کہ گرمِ رقص جس سے محفلِ اسرار ہوتی ہے

تلاش انکی نہیں دشوار گو لیکن یہ مشکل ہے
کہ لذتِ جستجو کی مانعِ دیدار ہوتی ہے

نہ کچھ پروائے منزل ہے نہ فکرِ سود و حاصل ہے
عجب اہلِ جنون کی مستیِ رفتار ہوتی ہے

نہ ان کی دید ہے آسان نہ ترکِ آرزو ممکن
عجب مشکل میں دیوانوں کی جان زار ہوتی ہے

یہ مجھ سے پوچھئے اس درد میں کیا کیفِ لذت ہے
کہ اسکی چوٹ سے رگ رگ مری ہشیار ہوتی ہے

تجھے معلوم پھر ان کی نوازش ہائے پنہاں کیا
جفا تیری لئے جب موجبِ آزار ہوتی ہے

خراب تک نہیں ہو شکوہ بیخ ہجر کو شاؔ ۔۔۔ یہ وہ غم ہو، نہ ہو تو زندگی دشوار ہوتی ہو،
یہ شغل جام کیا، وہ جراءت رندانہ پیدا کر ۔۔۔ کہ جس سے وادی کونین دم میں پار ہوتی ہو

نکل لیکر متاعِ جان و دل راہِ محبت میں
کہ منزل بڑی مشکل سے چشمِ یار ہوتی ہو

شورِ نشور

از

جناب نشور واحدی،

میں محو طوف پیہم تھا لئے پیمانہ کعبہ میں ۔۔۔ معاذ اللہ وہ میری لغزش مستانہ کعبہ میں
جماعت کی نمازیں اور درو دیوار کی بوسے ۔۔۔ ملا رکھی ہو رسم مسجد و بتخانہ کعبہ میں
قسم ہو نرگسِ ساقی کہ مستانہ اشارونکی ۔۔۔ بہت یاد آئی مجھکو گردش پیمانہ کعبہ میں
بجائے دست ساقی چومتے ہیں سنگ اسود کو ۔۔۔ عجب ہو حسن کا معیار مخصوصانہ کعبہ میں
حدود شرع میں بھی دیکھنا پابندی الفت ۔۔۔ طوافِ شمع ہی کرتا رہا پروانہ کعبہ میں
اگر سجدہ نہ کرتا میں تو کیا کرتا کہاں جاتا ۔۔۔ خدا بن کے آیا جلوۂ جانانہ کعبہ میں

نشور آخر وہاں بھی رشتۂ ساقی نہیں ٹوٹا
تجلی بن کے آیا شاہد میخانہ کعبہ میں

رُباعی

حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

از عقل تباہ کار نادانی بہ ۔۔۔ از خلعتِ پر غرور عریانی بہ
از سامانی کہ نخوت آرد در سر ۔۔۔ صد بار مرا بے سر و سامانی بہ

مطبوعات جدیدہ

سیرتِ شہیدِ کربلا (حصہ اول) مترجمہ مولینا محمد ایوب صاحب عثمانی تقطیع بڑی، ضخامت، ۲۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت:- عہ، پتہ:- مدرسہ معارف القران اورنگ آباد ضلع گیا،

مصر کے ایک اہل قلم علی جلال حسینی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت دو جلدوں میں لکھی ہے، پہلے حصہ میں آپ کی سیرت کے تفصیلی حالات ہیں، اور دوسرے میں واقعہ شہادت کا ذکر ہے، مولینا محمد ایوب صاحب نے ان دونوں جلدون کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اس کا دوسرا حصہ عرصہ ہوا شائع کر چکے ہیں، معارف میں اس پر ریویو بھی ہوا تھا، اب انھوں نے دوسرا حصہ شائع کیا ہے، اس کتاب کی دو حیثیتیں ہیں، ایک نفس کتاب کا پایہ، دوسرے ترجمہ کی حیثیت جہان تک معلومات کا تعلق ہے، مصنف نے بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کرکے بڑی محنت سے جزئی حالات کا استقصار کیا ہو، حضرت امام حسینؓ کی سیرت پر اردو میں مشکل سے کسی ایک کتاب میں اتنے حالات مل سکیں گے، لیکن اس کے ماخذوں اور واقعات کے انتخاب میں احتیاط نہیں کی گئی ہے، ہر قسم کی معتبر و غیر معتبر کتابوں سے رطب و یابس واقعات لیلئے گئے ہیں، ادب و محاضرات، لغت وجغرافیہ حال کی تصانیف ہر طرح کی معتبر و غیر معتبر کتابون جہاں جہاں سے حالات مل سکے ہیں، بے تکلف لے لئے گئے ہیں، حتی کہ شیعوں کی کتابوں سے بھی لینے میں تامل نہیں کیا

گیا ہے، عقد الفرید، اغانی، نوادر قلیوبی، زہرۃ الآداب حصری مغربی، نہایۃ الارب، عجائب المخلوقات ابن فارس قزوینی، اسرار الحکم، یاقوت مستعصمی، کتاب الامامۃ والسیاستہ، مجمع الامثال میدانی، لسان العرب، لواعج الاشجان حسینی عاملی متوفی سنہ ۱۳۲۲ھ، اسعاف الراغبین محمد بن احمد الصباغ، کافی، نہج البلاغہ، مقاتل الطالبین، ریاض الجنان اور کتاب الاذکیاء وغیرہ، یہ صرف چند نام بطور نمونہ لکھدیئے گئے ہیں، ورنہ اس قبیل کی اور بہت سی کتابیں ہیں، شیعوں کی روایات کی وجہ سے اس میں بہت سے غیر معتبر واقعات داخل ہوگئے ہیں، لیکن ترجمہ برا نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے الفاظ کی پابندی کا لحاظ رکھا ہے، اسلئے ترجمہ میں سلاست وروانی نہ پیدا ہو سکی، جابجا زبان کی غلطیاں نظر آتی ہیں، بہار کی مقامی زبان کا اثر نمایاں ہے، لیکن ان خامیون کو چھوڑ کر معلومات کے لحاظ سے یہ کتاب بہت جامع اور ان سیرتوں سے بہت بہتر ہے، جو عام طور سے اردو میں رائج ہیں،

مدراس میں اردو مولفہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۰ صفحے، کاغذ اچھا، کتابت وطباعت معمولی، قیمت :- مجلد عمر، پتہ :- ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن،

مدراس سے مسلمانوں کا تعلق نہایت قدیم ہے، جو کسی نہ کسی شکل میں ہر دور میں قائم رہا، ہندوستان میں فاتح مسلمانوں کے آنے سے مدتوں پہلے عرب تاجر مالابار کے سواحل پر پہونچ چکے تھے، پھر دکن کی اسلامی حکومتوں سے پہلے معبر اور مالابار مین اسلامی ریاستین قائم ہو چکی تھین، دکن مین اسلامی حکومتوں کے قیام کے بعد یہ تعلق اور زیادہ گہرا ہو گیا، پھر دور آخر میں خاص مدراس کے علاقہ ارکاٹ اور میسور میں نوابیاں قائم ہو گئیں، اسلئے اردو زبان کا تعلق بھی مدراس سے بہت قدیم ہے، خصوصاً دکنی حکومتوں کے زمانہ میں جن کے دامن میں اس زبان نے جنم لیا، یہ تعلق زیادہ گہرا ہو گیا تھا، آج بھی وہاں کے پڑھے لکھے مسلمانوں کی زبان اردو ہے، اور ادب وشاعری کا

خاصہ چرچا ہے، مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے اپنی مشہور تصنیف "دکن میں اردو" میں ایک مستقل باب "مدراس میں اردو" کا رکھا تھا، اسے اب انھوں نے مستقل کتاب بنادیا ہے، اس کتاب میں آٹھ ابواب ہیں، پہلے چار بابوں میں خاص مدراسی اور وہاں کے متوطن اردو شعراء کے مختصر حالات ان کی تصانیف نظم ونثر کا ذکر اور ان کے نمونے دیئے ہیں، جن جن تصانیف کے نسخوں کا پتہ چل سکا ہے، ان کا حوالہ دیدیا ہے، بعض بعض دوروں کی نظم ونثر پر الگ الگ تبصرہ ہے، پانچواں باب مستقل مراثی پر ہے، چھٹے باب میں مدراس کے اردو اخبارات ورسائل اور یہاں کی ادبی انجمنوں کے حالات ہیں، ساتویں باب میں تعلقداران سدھوٹ کی مختصر تاریخ اور ان کے عہد کے شعراء کا ذکر ہے، آٹھوین باب میں نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک خاص ریاست میسور میں اردو کی سرگذشت ہے،

ہندوستان کا دیہی قرض، مرتبہ جناب پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر، قیمت :- ۴ر، پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

ہندوستان کے معاشی مسائل میں کاشتکاروں کے قرضوں کا مسئلہ بہت اہم ہے، اب اسکی جانب کافی توجہ ہونے لگی ہے، پروفیسر محمد عاقل صاحب نے سنہ ۳۰-۲۹ء میں علی گڈھ کے ایک گاؤن کے قرض کا تفصیلی جائزہ لیا تھا، مذکورہ بالا رسالہ انکی تحقیقات کی رپورٹ ہے، اس میں کاشتکارون کے قرض کے تمام پہلوؤں، قرضخواہوں کی قسمیں، قرض کے اسباب، ان کی شکلیں، اس کی مدتین، سود کا نرخ اس کے حساب کا طریقہ، ضمانتوں کے اقسام قرض کے نتائج وغیرہ کے متعلق مع اعداد وشمار معلومات جمع کردیئے ہیں، اور ان کا نقشہ بھی دیدیا ہے، اور ساہوکارہ کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں اس کے نتائج پر بحث کی ہے، یہ بحث بہت مفید اور پر از معلومات ہے، آخر میں ہندوستان

کے ساہوکاری کے نظام اور اس کے اچھے اور برے پہلوؤں پر تبصرہ ہے، گو یہ ایک گاؤں کے قرض کا جائزہ ہے، لیکن اس ایک مثال سے عام حالات کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے،

کاشانۂ نادر، مصنفہ جناب عطاء الرحمن صاحب بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۸ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر، قیمت:- عہ، پتہ:- سید عبدالرزاق تاجر کتب عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس افسانہ میں سرزمین علی گڈھ کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے، وہاں چند نوجوان تعلیم یافتہ زندہ دل، خوش مذاق عورتوں کا ایک تفریحی خفیہ کلب ہے، کلب کے مکان سے متصل ایک دوسرا کرایہ کا مکان اس کا تماشا گاہ ہے، اس کے کرایہ دار اس تفریحی کلب کا شکار ہوتے رہتے ہیں، ان دونوں مکانوں کے درمیان پر پیچ میکانیکی طریقہ سے ایسا مخفی ربط قائم کیا گیا ہے، کہ کلب کے مکان میں بیٹھ کر نگاہوں سے مخفی دوسرے مکان میں رہنے والوں کے ساتھ ہر قسم کا مذاق کیا جاسکتا ہے، اور کسی کو اس کا سُراغ نہیں ملتا، یہ مذاق اسی طرح کا ہوتا ہے، جیسے آسیب زدہ مکان میں واقعات پیش آتے ہیں، اس لئے لوگ اُسے جنات وغیرہ پر محمول کرتے ہیں، اور چند دنوں کے تجربہ کے بعد مکان چھوڑ دیتے ہیں، آخر میں ایک طالب علم شمس الحسن اس گھر کو لیتا ہے، اس کے ساتھ بھی اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں، لیکن ان واقعات سے کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا، شمس الحسن کے ایک ذہین دوست مرزا کو شک ہوتا ہے، وہ ایک دن کلب والے گھر کو خالی پاکر اس کا جائزہ لیتا ہے، تو اس پر حقیقت منکشف ہوتی ہے، ممبران کلب کو اس افشائے راز کا بڑا افسوس ہوتا ہے، اور وہ مرزا صاحب سے اسکے اخفار کا عہد لیتے ہیں، اس افسانہ میں ممبرانِ کلب کے اخلاق کی پاکیزگی کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے، اس افسانہ کا تخیل بہت دلچسپ ہے، لیکن مولف اسکو پوری طرح سنبھال نہ سکے، بعض

واقعات غیر فطری معلوم ہوتے ہیں، پر پیچ میکانیکی آلات کا ربط کچھ دلنشین نہیں ہے، زبان میں بھی ناہمواری ہے، لیکن فسانہ دلچسپ ہے،

تمثیلی مشاعرہ از پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت نفیس، قیمت مجلد عہ، پتہ انجمن اربابِ ذوق لائل پور، اس کے علاوہ اردو کے تمام مشہور کتب فروشوں سے مل سکتی ہے،

پہلی مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی مرحوم نے دہلی کی "آخری بزمِ ادب" کا سماں دکھایا تھا، اور اپنی جادو نگاری سے خیالی پیکروں میں ایسی جان ڈال دی تھی، کہ پڑھنے والے کی نگاہ میں آج بھی وہی سماں پھر جاتا ہے، لیکن وہ تحریری بزم آرائی تھی، اس کی نقل میں غالباً گورنمنٹ کالج لائل پور میں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے زیر اہتمام ایک تمثیلی مشاعرہ ہوا تھا، یہ اس کی قلمی تصویر ہے، مختلف دوروں کے ممتاز اساتذہ سودا، میر درد، میر تقی، جرأت، مصحفی، انشار، آتش نسیم، ناسخ، ذوق، مومن اور غالب کی روحیں اس میں شریک تھیں، انہی کی وضع ولباس میں ان کی غزلیں پڑھی گئیں، محض اس حد تک تو اس میں کوئی ندرت نہ تھی، لیکن پنڈت جی کے حسن مذاق اور استاذانہ نظر نے بزمِ مشاعرہ کی داد میں بعض خصوصیتیں پیدا کر کے اسے ادبی حیثیت سے ایک قابلِ یادگار چیز بنا دیا، ایک یہ کہ ان مختلف عمروں اور مختلف دوروں کے اساتذہ میں باہم حفظ مراتب اور پاسِ ادب کا لحاظ، اور داد کی نوعیت پر اس کا اثر، دوسرے ہر شاعر کی داد سے اس کے ذوق رجحان اور رنگ شاعری کا اظہار، تیسرے ان اساتذہ کی زبان سے ان غزلوں کے لفظی و معنوی محاسن اور شاعرانہ نکات کی طرف اشارہ، اس لحاظ سے یہ مشاعرہ شعرار کے لئے ادبی نصاب ہے، داد کے سلسلہ میں مختلف شعرار کے متعلق تلمیحات بھی ہیں، جن کی شرح آخر میں کر دی گئی ہے، مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم کے مشاعرہ کے بعد یہ مشاعرہ بھی ایک یادگار چیز ہے، دلچسپی کے لئے

مشاعرہ کا فوٹو بھی شامل کر دیا گیا ہے،

بنگاری بابو، مولفہ جناب حبیب احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت:۔ ۸ر مجلد، پتہ:۔ سید عبد القادر اینڈ سنس چار مینار وسید عبد الرزاق عابد روڈ حیدر آباد دکن،

یہ جناب مؤلف کے پانچ افسانون کا مجموعہ ہے، "بنگاری بابو" "انتقال ذہن" "ریڈیم کی چوری" "انسانی ترسیل" اور "ناکامی"، اول الذکر چار افسانے نفسیاتی اور سائنسی ہیں، اور بہت دلچسپ ہیں، خصوصاً "ترسیل" بہت خوب ہی، "ریڈیم کی چوری" غالباً ترجمہ ہی، اسلئے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ یہ شائع ہو چکا ہے، سب سے پہلے تمدن مرحوم میں نکلا تھا،

انقلاب دہلی، مرتبہ جناب نظامی بدایونی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت مرقوم نہیں، پتہ نظامی پریس بدایوں،

دہلی مرحوم ہندوستان کی اسلامی تہذیب کی آخری بہار تھی، اس لئے اس کی تباہی پر ویسے ہی پرسوز مرثیے اور شہر آشوب لکھے گئے جیسے بغداد کی تباہی پر سعدی نے اور اسلامی اندلس کی بربادی پر ابن بدرون نے لکھے تھے، اس دور کے اکثر بڑے بڑے شعرا نے اس کی سوگواری کا فرض ادا کیا تھا، ان میں کے بیشتر مراثی تو مطبوعہ موجود ہین لیکن بعض نایاب تھے، جناب نظامی بدایونی نے انھیں کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، اس میں چھیالیس شعرار کے چونسٹھ مرثیے، اور شہر آشوب ہین نظامی صاحب نے انھیں شائع کر کے ایک قابل یادگار ادب کو محفوظ کر دیا،

"م"